سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) نمبر ۱۷۵

دیوانِ بہرام

بہرام جی جاماسپ جی دستور

کے

اُردو کلام کا مجموعہ

مرتبۂ

مسلم ضیائی ایم اے

شایع کردہ

انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) دہلی

۱۹۴۳ء

قیمت مجلد [illegible] غیر مجلد [illegible]

مفید عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی رام منیجر چھپی
اور سید صلاح الدین جمالی منیجر انجمن ترقی اردو (ہند) نے دہلی سے شائع کی

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) نمبر ۱۷۵

دیوانِ بہرام

بہرام جی جاماسپ جی دستور

کے

اُردو کلام کا مجموعہ

مرتّبہ

مسلم ضیائی ایم اے

شایع کردہ

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) دہلی

سنہ ۱۹۴۳ء

قیمت مجلد عمہ؍ غیر مجلد عہ؍

مفید عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی رام منیجر چھپی
اور سید صلاح الدین جمالی منیجر انجمن ترقی اردو (ہند) نے دہلی سے شائع کی
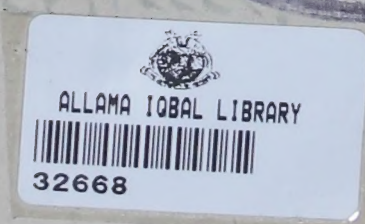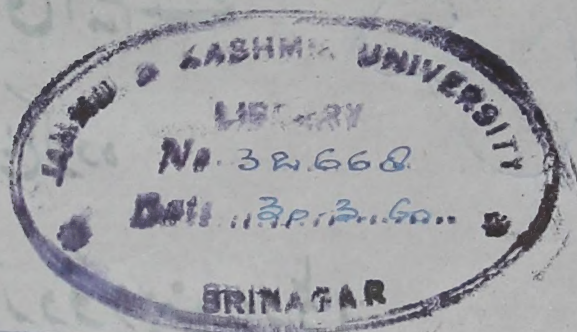
مقدّمہ ازمرتّب

بنامے آنکہ او نامے نہ دارد
بہ ہر نامے کہ خواہی سر بر آرد

گئے وہ دن اور گیا وہ زمانہ جب ہر فرومایہ اور بے علم شخص اُردو پر اعتراض کر بیٹھتا تھا کہ اس کی شاعری غیر فطری ہے، اس میں گل و بُلبُل کی داستانوں کے سوا کچھ نہیں اور اس کا ادب زندگی کا ترجمان نہیں۔

تحقیقات نے بتا دیا ہے کہ یہ اعتراضات بے معنی تھے یا عدم واقفیت پر مبنی۔ اُردو کی قدیم تاریخ ادب کا جائزہ لیا گیا تو بے شمار انمول موتی جو قعرِ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے منظرِ عام پر آنے لگے اور معلوم ہوا کہ وہ ادب جو بے مایہ اور فرومایہ کہلاتا تھا، مالا مال اور گراں مایہ ہے۔ قدیم شاعروں اور ادیبوں کی رس بھری تصنیفات کا پتا چلا اور روز بروز ایسے ثبوت ملتے گئے جن سے معلوم اور ثابت ہو گیا کہ اُردو نہ صرف "ہندو مسلمان دونوں کو اپنے آباد اجداد سے ایک مشترکہ و مقدس ترکے کی حیثیت سے ملی ہے جو ناقابلِ تقسیم ہے" بلکہ یہ بھی

ظاہر ہوا کہ سرتیج بہادر سپرؤ کے اس قول کو اور زیادہ وسیع کر کے بلا تکلف کہا جا سکتا ہے کہ ”اُردؤ زبان تمام ہندستانیوں کو اپنے آبا و اجداد سے ایک مشترک اور مقدّس ترکے کی حیثیت سے ملی ہے جسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا“ کیونکہ آج یہ بات اسی طرح مسلّم ہو چکی ہے جس طرح رات کے بعد دن کا آنا، کہ ادبِ اُردؤ کے سدا بہار درخت کی آبیاری میں نہ صرف ہندوؤں اور مسلمانوں نے حصّہ لیا ہے بلکہ سکھ، دیسی عیسائی، اینگلو انڈین، جین اور پارسی بھی ان کے اسی طرح شریک اور مددگار ہیں جس طرح ایک کنبے میں بھائی یا کسی درخت کی جڑیں جن میں سے ہر ایک درخت کی نشوونما میں حصّہ لیتی ہے۔ ہندستان کی کسی زبان کو سوا اُردؤ کے یہ شرف حاصل نہیں کہ اس کی خدمت ہر مذہب کے پرستاروں اور ہر صوبے کے باشندوں نے کی ہو۔ یہی نہیں بلکہ اُردؤ ادب میں متعدد ایرانیوں، جرمنوں، فرانسیسیوں اور انگریزوں کی تصنیفیں، تالیفیں اور ترجمے بھی شامل ہیں۔ ان کی شاعری دیکھنا ہو تو نہ صرف جستہ جستہ اشعار اور غزلیں ملیں گی بلکہ بعض کے دیوان بھی۔

شعر اور ادب کی رنگیں وادی میں پارسیوں نے اپنے لیے ایک دل کش اور سہانا کنج منتخب کر لیا۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے متعدد تھیٹریکل کمپنیاں قایم کیں۔ جن میں اولیت کا فخر پستن جی فرام جی کی اورجنل تھیٹر کمپنی کو حاصل ہے۔ سیٹھ صاحب خود بھی شاعر تھے۔ رنگ اور پروین تخلص کرتے اور شعرا کے قدردان تھے۔ ان کے استاد کا نام نواب علی اور تخلص نفیس تھا۔ کمپنی کے ڈراما نویس حسینی میاں ظریف اور پنڈت رونق بنارسی تھے۔ اداکاروں میں خورشید جی

بالی والا، کاؤس جی کھٹاؤ اور نواب علی نفیس کے نام مشہور ہیں۔ ان میں سے اوّل الذکر دو اداکار علی الترتیب طربیہ اور حزنیہ اداکاری کے لیے ممتاز ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جس وقت یہ دونوں باکمال اپنی اداکاری کا مظاہرہ کرتے تو اسٹیج یا تو قہقہوں اور تالیوں سے گونجتا رہتا یا موت کی سی خاموشی طاری رہتی۔

سیٹھ پستن جی کے انتقال پر کاؤس جی نے الفریڈ تھیٹریکل کمپنی قایم کی جس کے ناٹک نویس احسن لکھنوی اور نراین پرشاد بیتاب تھے۔ اس کمپنی میں عموماً حزنیہ اور خصوصاً شکسپیر کے ڈرامے کھیلے جاتے تھے چنانچہ شکسپیر کے حزنیہ ڈراموں میں سے شاید ہی کوئی ایسا ڈراما ہوگا جو کھیلا نہ گیا ہو۔

کاؤس جی کے معاصر اور سابق ہم کار خورشید جی بالی والا نے بھی ایک کمپنی "وکٹوریہ ناٹک کمپنی" کے نام سے قایم کی جس کے ناٹک نویس منشی ونایک پرشاد طالب تھے۔ ان کے ناٹک زیادہ تر ہندستانی روایتوں اور ہندستانی زندگی پر مبنی ہیں۔ گانے بازاری انداز سے بنے ہوئے ہیں اور زبان نہایت ستھری اور پاکیزہ استعمال کی گئی ہے۔

ان دونوں کمپنیوں کی بڑھتی ہوئی کامیابی دیکھ کر محمد علی ناخدا نے نیو الفریڈ تھیٹریکل کمپنی قایم کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کمپنی کے ناخدا اور سیاہ و سفید کے مالک مسٹر سہراب جی تھے۔ اس کے ناٹک نویس مرحوم آغا حشر کاشمیری تھے جنھوں نے اردو ڈراما کو بلند کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ اسی زمانے میں ایک اور تھیٹریکل کمپنی مسٹر اردشیر ٹوہنٹی نے "اولڈ پارسی تھیٹریکل کمپنی" کے نام سے قایم کی جس میں مسٹر اردشیر

بھی کاؤس جی کھٹا اور خورشید جی بالی والا کے مانند اداکار تھے۔

ان کمپنیوں کے سبب سے نہ صرف متعدد انگریزی ناٹکوں کا اردو میں ترجمہ ہوا بلکہ بہت سے ڈرامے تصنیف اور تالیف کیے گئے۔ آج بھی یہ قوم اردو کی خدمت میں مصروف ہے اور تبدیلیٔ ذوق کی وجہ سے چونکہ تھیٹر کی جگہ بولتی فلموں نے لے لی ہے اس لیے اسی کے ذریعے ناٹکی ادب کی طرف توجہ کر رہی ہے چنانچہ اسی سلسلے میں واڈیا موی ٹون اور منروا موی ٹون کی خدمت فراموش کرنے کے قابل نہیں۔

اسی پارسی قوم کے ایک فرد بہرام جی جاماسپ جی تھے۔ پارسیوں کی قدیم روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان میں ان کے مورثِ اعلیٰ موبد نیا پور موبد شہریار ہیں جو ۱۶۰۰ء کے لگ بھگ زمانے میں یہاں موجود تھے۔ دستور بہرام جی انھی کی اولاد سے ہیں اور ان کا تعلق مشہور دستور جاماسپ جی کے گھرانے سے ہے۔ دستور جاماسپ ۱۶۹۳ء میں بمقام نوساری (گجرات) پیدا ہوئے۔ یہ نہ صرف ایک صاحبِ علم خاندان سے تعلق رکھتے تھے بلکہ ایک صاحبِ علم نسل کے مورث بھی بنے چنانچہ ان کی اولاد میں نوساری، بمبئی، پونا اور حیدرآباد دکن کے متعدد صدر دستور گزرے ہیں ان کے متعلق ایک فارسی عالم نے کہا ہے۔

به نوساری ز دستورانِ دیں جاماسپ آسا را
خدا داده ز لطفِ خود علومِ دین و دنیا را

دستور بہرام اور دستور جاماسپ کے درمیان چھ پشت کا فصل ہے۔ دستور بہرام جی، دستور جاماسپ جی ایدلجی کے چوتھے بیٹے تھے۔ ان کے بڑے بھائی دستور نوشیروان جی اور چھوٹے دستور ہوشنگ جی پونا کے

مشہور صدر دستور تھے۔ ان کے ایک اور بھائی دستور بہمن جی عرصے تک برار میں کمشنری کے معزز عہدے پر سرفراز رہے۔

دستور بہرام ۲ر دسمبر ۱۸۲۸ء کو بمقام نوساری پیدا ہوئے جو گجرات میں پارسیوں کا اہم ترین مرکز ہے۔ انھوں نے اپنے دو چھوٹے بھائیوں، رتن جی اور ہوشنگ جی کے ساتھ موبدی کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ ان میں سے دستور رتن جی حیدرآباد کے محکمۂ مال میں ملازم اور مولوی نذیر احمد دہلوی کے معاصر تھے جن سے اکثر چوٹیں چلتی رہتی تھیں۔

بہرام جی نے مذہبی تعلیم نوساری ہی میں موبد برزو رجی جمور جی سے پائی اور ۲۷ر مارچ ۱۸۴۳ء کو موبد بنائے گئے۔ اس کے بعد انھوں نے پونا جا کر مذہب اور فارسی زبان کی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور بڑے بھائی کی نگرانی میں حاصل کی اور حیدرآباد آئے۔ یہاں مولوی فخرالدین صاحب سے اردو اور فارسی کا تکملہ کیا اور پارسیوں کے دستور مقرر ہوئے۔ ۱۸۶۳ء سے ان کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جب کہ ان کا تقرر تعلقہ نلدرگ میں بطور مددگار اوور گیری ہوا۔ یہاں انھوں نے سات سال خدمات انجام دے کر اورنگ آباد کی سوم تعلقداری کا جائزہ لیا اور بہت جلد دوم تعلقداری پر ترقی پا کر بالآخر پربھنی کے اوّل تعلقدار مقرر ہوئے۔

۱۸۸۰ء میں ان کی زندگی نے ایک اور پلٹا کھایا اور وہ نواب سالار جنگ بہادر کی اجازت سے پنشن حاصل کر کے دوبارہ حیدرآباد اور سکندرآباد کے دستور مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں انھوں نے پارسیوں کی فلاح و بہبود کے لیے کئی فنڈ جاری کیے اور تقریباً بیس سال تک دستور رہنے کے بعد ۱۸ر مارچ ۱۸۹۵ء کو انتقال کیا۔

بہرام جی کو شعر و ادب سے بڑی دل چسپی تھی۔ وہ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور ان کا کلام اس زمانے میں بہت مقبول تھا چنانچہ ناندیر کے مشہور قوال علی شاہ، جلال شاہ عریانہ اور حسین شاہ جلال شاہ عریانہ اکثر محفلوں میں ان کی غزلیں گاتے تھے۔

۱۹۳۲ء میں ان کے دیوان کا ایک مخطوطہ مجھے دستیاب ہوا (نسخہ ا) لیکن اس میں کثرت سے غلطیاں تھیں۔ میں نے مصنف کا حال دریافت کرنے کی کوشش کی تو کاما اورینٹل انسٹیٹیوٹ بمبئی کے پروفیسر مہرجی رانا صاحب نے لکھا کہ ایک گجراتی کتاب میں ان کے حالات درج ہیں جس سے ترجمہ کر کے مجھے عنایت کیے گئے لیکن کچھ عرصے بعد موصوف کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ سکندر آباد میں بہرام جی صاحب کے ورثا مقیم ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے حالات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن معلوم نہیں کس سبب سے تکلف اور اغماض کیا گیا۔

چار سال ہوئے جب مجھے موصوف کے دیوان کا ایک اور نسخہ دستیاب ہوا (نسخہ ب)۔ میں نے نسخہ ا سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ نسخہ ا کی بہت سی غزلیں نظر انداز کر دی گئی ہیں اور بہت سے اشعار اصلاح شدہ ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کا ایک فارسی دیوان بھی دستیاب ہوا لیکن ان کے سوانح سے اب بھی محروم رہا۔

گزشتہ سال مولوی عبدالحق صاحب قبلہ سے اس کا ذکر ہوا تو انھوں نے نواب کیقباد جنگ سے فرمائش کی اور موصوف نے مختصر سے حالات عنایت فرمائے لیکن یہ اتنے مختصر تھے کہ مجھے تلاش اور جستجو کا سلسلہ جاری رکھنا پڑا، خوش قسمتی سے امسال ڈاکٹر ویکاجی صاحب سے کچھ

اور حالات معلوم ہوئے اور اسی سلسلے میں دیوان کا ایک اور نسخہ (ج) دستیاب ہوا۔

قدامت کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ (سب سے پہلے اس کے بعد نسخہ ج اور سب سے آخر میں نسخہ ب تیار ہوا ہے۔ کیونکہ نسخہ (اور ج میں کئی ایسی غزلیں ہیں جنھیں نسخہ ب، میں جگہ نہیں دی گئی۔ اسی طرح بہت سے اشعار میں کاٹ چھانٹ اور اصلاح کے علاوہ نئی غزلوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ نسخہ (اور ج کی بعض غزلوں کو نظری کرکے ان پر کاغذ چپکا دیا گیا اور بعض غزلوں پر نظری کیے جانے کا سبب بھی لکھا ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں "حسبِ فرمائش ایک دوستِ نافہم کے لکھی گئی دیوان سے نکالی جائے گی"۔ دوسری جگہ تحریر ہے "یہ غزل خارج کی گئی، بطرزِ متقدمین، اہلِ دکن کی فرمائش، سے لکھی گئی"۔ میں نے موجودہ نسخے کی بنیاد الف اور ج سے مقابلہ کرکے نسخہ ب ہی پر رکھی ہے۔

بہرام جی ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور خود انھوں نے بھی اپنی عمر کا ایک بڑا حصّہ مذہبی تعلیم حاصل کرنے اور مذہبی پیشوائی میں گزارا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے ابتدائی زمانے میں معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی جذبے سے زیادہ سرشار تھے چنانچہ نسخہ الف میں ایسے کئی شعر موجود ہیں جن میں دینِ زردشتی سے اظہارِ عقیدت کیا گیا ہے مثلاً

ہوں میں زردشتی مرے بہرام ہے پیشِ نظر
آفتابِ صبح یاردے ہے انوارِ آتشیں

آئینہ آتش کدے کا میں نے دکھا رو برو
میں بھی اس ظلمت کدے میں اک سکندر ہوگیا

دینِ زردشتی مجھے بہرام ہو جی سے پسند
جلوۂ آتش کدہ کب میرے منظر میں نہ تھا[1]

لیکن کچھ اور وقت گزرنے کے بعد ان کی طبیعت میں تبدیلی پیدا ہوئی انھیں ہر طرف اور ہر مقام پر خدا کی قدرت اور کرشمے نظر آنے لگے۔ ان کا دل بندھنوں سے آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگا اور اب وہ ایک ایسے صوفی بن گئے جو کسی قید و بند میں گرفتار ہونا پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

ہر طرف جب کہ ترے نور کا جلوہ دیکھا
اک سا مندر و کعبہ و کلیسا دیکھا

ان کی نظریں اختلافِ مذاہب اور تصورات پر پڑتی ہیں۔ دنیا کا حال دیکھ کر انھیں تعجب ہوتا ہے اور وہ پکار اٹھتے ہیں۔

دیر میں آتش کدے میں کعبے میں اس کا ظہور
اس لیے حیراں ہوں کیوں جھگڑے ہیں شیخ و شاب میں

وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شیخ و برہمن کے جھگڑے سب فضول اور بے معنی ہیں لہٰذا انھیں ختم کر دینا چاہیے

چشمِ بینا چاہیے بہرام کیا مذہب کی قید
ہر طرف سے جلوۂ نورِ خدا ہو جائے گا

اب انھیں خدا کا جلوہ صرف آتش کدے میں نظر نہیں آتا بلکہ مسجد و بتخانہ و کلیسا میں بھی ان کی نظریں دور رس ہو جاتی ہیں اور دل وسیع۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ

اے مسلم و ترسا و یہودی و نصاری
اس یار کا جلوہ کہو کس جا نہیں ہوتا

---

[1] اردو اور فارسی دونوں دیوانوں میں ایرانی پیغمبر زردشت کی تعریف میں نظمیں موجود ہیں۔

اس وقت وہ ہر قسم کے بندھنوں سے آزاد ہو کر جسم کی بجائے روح کے پرستار بن جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک خود فراموشی حقیقت آشنائی ہی اور بیخودی معراجِ زندگی۔ چنانچہ ہر طرف نورِ حقیقت کا جلوہ دیکھ کر کہتے ہیں۔

ہستی کو چھوڑ کر جو ہوئے محوِ ذات ہم
پایا تجھی کو یار جو ڈھونڈا تو ہم نہیں

جلوہٴ نورِ خدا پیشِ نظر بہرام ہی
کام کیا اب دیر میں یا مسجد و محراب میں

اُنھیں مخلوق میں خالق کا جلوہ نظر آتا ہی چنانچہ ان کی غزل

یار کو ہم نے برملا دیکھا
آشکارا کہیں چھپا دیکھا

اسی "ہمہ اوستی" رنگ میں ڈوب کر لکھی گئی ہی اور اس میں بتایا گیا ہی کہ خدا کا جلوہ ہر جگہ اور ہر شی میں موجود ہی اور

جو محوِ حسن ہیں عاشق وہ ہیں خاموش دیوانے
جو گویا ہیں تمھارے حسن کی تقریر کرتے ہیں

اس میں شک نہیں کہ بہرام کی شاعری میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہی وہ ان کا مذہبی میلان ہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ان کی روح نورِ ازل میں گم ہو جانا چاہتی ہی لیکن حقیقت یہ ہی کہ ان کی زندگی میں بھی، دوسرے انسانوں کی طرح، ایک دور ایسا بھی تھا جسے دورِ شباب کہتے ہیں، زندگی کا وہ دور جس میں ان کا دل بھی عشقِ مجازی کی مسکراتی ہوئی خلش سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ وہ زمانہ جب کہ ان کے جذبات ایک پہاڑی چشمے

کی طرح اُبل پڑتے تھے۔ وہ زمانہ جب کہ یہ چشمہ پُرسکون اور باوقار دریا نہیں بنا تھا۔ ملاحظہ ہو۔ کہتے ہیں۔

رہتی ہے تا صبح اپنی ماہِ تاباں پر نظر
جب وہ مہ رو یاد آتا ہے شبِ مہتاب میں

اشک جاری چشم سے بدنام اس کے عشق میں
سیر کو ہو ہم رہی دریا کنارے کس طرح

دُور ہو دردِ دل یہ اور دردِ جگر کسی طرح
آج تو ہم نشیں اسے لا مرے گھر کسی طرح

نفرت جو نہ کرتا مری بیتابیٔ دل سے
یہ رازِ محبت کبھی افشا نہیں ہوتا

اپنے قاتل کو دیا دل، بے گنہ کرتا ہے قتل
مطلقاً ظالم نہیں ہے درگزرے آشنا
عشق ہے ہم کو لب و دندانِ گل رخسار سے
دل ہمارا کیوں ہو پھر لعل و گہر سے آشنا

مالک ہے تو مجھے ہے جہنم تری قبول
لیکن بتوں کا عشق خدایا نہ جائے گا

عاصی ہوں گنہگار ہوں مجرم ہوں سراپا
پر ترکِ بتاں مجھ سے خدایا نہیں ہوتا

کون کہتا ہے نہیں خوباں کو عاشق کا خیال
اشک پونچھے اس نے میری چشمِ گریاں دیکھ کر

ہر سجدۂ نقشِ قدمِ یار کی حسرت
میں کعبہ و بتخانہ کا جویا نہیں ہوتا

شکوہ جو کیا جور و جفا کا تو وہ بولے
دیوانے ہوا اس عشق میں کیا کیا نہیں ہوتا

روتا ہے جو سنتا ہے مرے عشق کا چرچا
دل اس سے لگایا ہے جو اپنا نہیں ہوتا

بہرام ایک دوست نواز، راست باز، ملنسار اور قناعت پسند آدمی تھے۔ کچھ تو مذہبی تعلیم اور کچھ خود اپنی افتادِ طبیعت سے۔ انھوں نے بزرگوں کے دامنِ تربیت میں تعلیم پائی تھی۔ ذی علم اور با اخلاق اور نیک لوگوں میں سے ان کی پیروی پر فخر کرتے تھے اور ہمیشہ اچھے لوگوں کی تلاش میں رہتے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

ہے مجھے انساں کی ہمدم عہدِ طفلی سے تلاش
بلبلِ صحبت مرا کچھ باد اور خم میں نہ تھا

طفلی سے میں رہا ہوں ہو عاقل کے متصل
بیٹھا نہیں ہوں میں کبھی جاہل کے متصل

ظاہری وعظ سے ہی کیا حاصل
اپنے باطن کو صاف کر واعظ

کج روی آتی نہیں بہرام ہوں میں راست باز
راست بازی کا مری عالم میں چرچا ہوگیا

زینت افزا ہی گلیم فقر آب وتاب میں
ہی کہاں یہ شان وشوکت مسندِ کم خواب میں

ہم نے رکھے ہیں کام توکّل پر اپنے سب
دل میں ہمارے یار نہیں ہی مقامِ حرص

بہرام جی سر سالار جنگ اوّل کے معاصر تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دکن شعر و ادب کا گہوارہ بن گیا تھا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء نے دہلی اور لکھنؤ کو اجاڑ دیا کتنے ذوق تھے جو دلّی کی گلیاں چھوڑ کر خانماں برباد اور خانہ بدوش ہوگئے تھے، کتنے اہلِ علم تھے جنھوں نے لکھنؤ کے اکمالوں کی طرح دہلی کو ہمیشہ کے لیے "ہم نے یہ مانا کہ دلّی میں رہیں کھائیں گے کیا" کہتے ہوئے رام پور، مرشد آباد، پٹنہ، الور، بھرت پور اور حیدرآباد کا راستہ لیا اور ہمیشہ کے لیے وہیں کے ہو گئے۔ لیکن شعر و سخن کا ذوق

طبیعتوں میں اتنا رس بس گیا تھا کہ جہاں گئے اور جس حال میں ہوئے مشاعروں کو نہیں بھولے۔ چنانچہ حیدرآباد میں بھی اچھی بزرگوں کی صحبتیں تھیں، مشاعرے ہوتے جن میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہرام جی بھی شریک ہوا کرتے اور یہی نہیں بلکہ کبھی کبھی اپنے ہاں بھی ایسی محفلیں منعقد کرتے جن میں جولانیٔ طبع دکھانے کا موقع ملتا۔ ان مشاعروں میں کبھی کبھی شاعرانہ تعلی کا اظہار ہوتا اور کبھی معاصرانہ چوٹیں چلتیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

یہ شاعر ہے دکن کا پر ذرا بہرام کو دیکھو
تمہارا روزمرہ اس نے کیا اہل زباں باندھا

سامنے آتی ہے جب میری غزل ای بہرام
صاد ہوتا ہے ہر اک شعر پہ استادوں کا

بہرام غزل اور بھی اک ان کو سنا دے
مشتاق تری بزم میں سب آئے ہوئے ہیں

عاشقانہ غزل اک اور بھی لکھو بہرام
آپ کی سحر بیانی کے ثنا خواں ہم ہیں

نیاز مند تمہارا ہے شاعرو بہرام
وگرنہ ہوتا ہے دعویٰ ہر اک سخن ور کو

اس زمانے میں ناسخ، وزیر، صبا، امانت، رشک اور سطوت وغیرہ نے محض قافیہ پیمائی کو شاعری کہہ کر شاعری کو گورکھ دھندا بنا دیا تھا۔ بد قسمتی سے یہ ہوا ایسی چلی کہ غالب ایسا انفرادیت پسند شخص بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس بادِ سموم نے اُردو شاعری کے اس لہلہاتے ہوئے پودے کو کمھلا دیا جس کی آبیاری ولی، سراج، مظہر جانجاناں، قایم اور درد نے کی تھی۔ یہ وہی زمانہ تھا جب کہ مومن و غالب لیلائے سخن کے گیسوؤں کو آراستہ کرنے میں مصروف تھے۔ ناسخ اور ان کے متبعین کا کلام سوز اور درد سے یکسر خالی ہے اس لیے شعر کہلانے کا مستحق نہیں۔ شاعری کا تعلق دماغ کے مقابلے میں دل سے زیادہ ہوتا ہے اور دل سے جو بات نکلتی ہے وہی اثر بھی کرتی ہے۔ شعر کو محض دماغی پیداوار بنا دینے سے بہتر ہے کہ منطق یا علمِ ہندسہ پر کوئی کتاب لکھ دی جائے۔ شاعری کو ترجمان حیات ہونا چاہیے اور حیات نام ہے سوزِ دل اور کشمکشِ جذبات کا۔ شاعر کو نہ صرف اپنا ترجمان ہونا چاہیے بلکہ اپنے ماحول کا بھی۔ اس کی حیثیت قوم اور سوسائٹی میں وہی ہوتی ہے جو دل کی جسم میں۔ اس کے تاثرات سنوں، مہینوں، دنوں اور گھنٹوں میں نہیں لکھے جاتے۔ وہ الفاظ کے ذریعے روحِ عصر کو پیش کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ ۱۸۵۷ء میں شورشِ عظیم ہوئی، دلّی تباہ ہو گئی اور بہادر شاہ ظفر کو تخت سے محروم کر کے رنگون بھیج دیا گیا بلکہ اپنے دل کا مطلب استعاروں میں چھپا ہوا کہتا ہے۔

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

وہ یہ نہیں کہتا کہ فلاں تاریخ اور فلاں روز دراندازوں کی سازش سے

فلاں قید خانے میں بند کر دیا گیا لیکن رہائی پاکر اپنی درد بھری داستان یوں عرض کرتا ہے کہ اے دوست

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

اسے اپنے وہ دوست اور احباب، اعزا اور اقربا یاد آتے ہیں جنھیں شورشِ عظیم نے مٹّی میں ملا دیا۔ وہ ایک ایک کے نام نہیں گناتا بلکہ اپنے مخاطب کو چند پھول دکھا کر دو مصرعوں میں بتا دیتا ہے کہ اس کی نظروں نے کیا دیکھا جسے دوسروں کی نظریں دیکھنے سے محروم رہ گئیں وہ کہتا ہے:-

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

لوگ اس سے پوچھتے ہیں کہ تم پر ایسے سخت مصائب پڑے، تم نے ایسے دردناک مناظر دیکھے، تم نے ٹھوکریں کھائیں، تمھاری مسرتیں فنا ہوگئیں پھر زندہ کیوں کر ہو۔ اس کا جواب وہ نہایت عمدہ نفسیاتی طریقے سے دیتا ہے کہ اے میرے دوستو!

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

لیکن غم پھر بھی غم ہی ہے خوشی تو ہے نہیں کہ چند لمحوں میں بھول جائیں۔ کانٹا نکل جاتا ہے لیکن خلش باقی رہ جاتی ہے۔ وہ ضبط کرتا ہے لیکن پھر بھی آنسو نکل آتے ہیں لوگ اسے دیکھ دیکھ کر کہتے ہیں کہ

یوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہوگئیں

اس کی زندگی کے سمندر میں مد و جزر برپا ہے۔ کبھی وہ سراپا یاس اور نا امیدی بن جاتا ہے اور کبھی اس کے دل میں امید کی چنگاری روشن ہو جاتی ہے۔ وہ مایوسی کا دھنواں اپنے سامنے سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنا اور دوسروں کا دل بہلانے کے لیے کہتا ہے کہ کھوئی ہوئی چیز کا افسوس کیا دنیا میں ایسا تو ہونا ہی رہتا ہے کیونکہ

سلطنت دست بدست آئی ہے
جامِ مے خاتمِ جمشید نہیں

شاعر کے کلام میں یہی چیز ہے یعنی حیاتِ انسانی سے نزدیکی جو اسے زندۂ جاوید بنا دیتی ہے اور آپ اس کا کلام دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں کہ

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ناسخ اور ان کے متبعین اسی حقیقت نگاری اور زندگی کی قربت سے محروم تھے۔ ان کے پاس وہی گِنے چُنے مضامین تھے جن کی تکرار کرتے رہتے تھے۔ انسان کی زندگی میں تنوع وہی حیثیت رکھتا ہے جو ذائقے کے لیے چٹپٹی چیزیں۔ انھوں نے صرف "تنگنائے غزل" کو اپنے لیے منتخب کیا۔ جس میں ردیف اور قوافی کی پابندی ضروری تھی۔ آسان بحروں میں استادوں نے گنجایش نہ چھوڑی تھی اس لیے سنگلاخ بحریں منتخب کی جاتی تھیں اور انھی میں غزل کہہ لینا کمالِ فن سمجھا جاتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک دو شعر تو ٹھیک ہوتے اور باقی ایسے ہوتے جن کا سر ہوتا نہ پانو۔ مہمل اور بے معنی جیسے جسم بے روح۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہر ادب کی زندگی میں ایک ایسا دور ضرور آتا ہے جب

شاعری جذبات سے معرا ہو جاتی اور شاعر لفظی صنعت گریوں کے شیدائی بن جاتے ہیں۔ فارسی اور انگریزی شاعری میں بھی ایسے دور آئے اور چلے گئے جن میں اظہارِ جذبات کے بجائے نظم میں لفظی شعبدہ بازی رہ گئی تھی یا دماغی قلابازیاں جس کی وجہ سے حسنِ شعری فنا ہو گیا تھا۔

بہرام جی کی شاعری نے بدقسمتی سے ایسے زمانے میں آنکھ کھولی جبکہ لفظی صناعی کو کمال شاعری سمجھا جاتا تھا اور استاد صرف اس شخص کو سمجھا جاتا جو سنگلاخ زمینوں میں نہ صرف طبع آزمائی کرتا بلکہ دو غزلے اور سہ غزلے کہتا۔ بہرام جی بھی اس "بیماری" سے نہ بچ سکے۔ ملاحظہ ہو۔

رکھتا تھا مدتوں سے یہ ٹھوکر کی احتیاج
بارے بر آئی آج مرے سر کی احتیاج

بوسہ جو لے لیا لبِ شیرینِ یار کا
ای دل خطا بڑی ہو ولیکن خطا لذیذ

صورتِ پاک صنم اور ہوا دل پتھر
وائے قسمت کہ ہو آئینے سے حاصل پتھر

کھولے درباں نے جو اس کافرِ بے پیر کے در
کھل گئے آج مرے خانۂ تقدیر کے در

جس طرف پڑ گئی اس شوخِ ستم گر کی نظر
بے تکلف ہوئے سب کافر و ترسا مدہوش

جفا و جور صنم ہی کہاں ہو دل محظوظ
ہو وصل یار سے یارب یہ مضمحل محظوظ

چاہیے ہم وحشیوں کو کب سرِ مدفن چراغ
دیدۂ غولِ بیاباں ہیں یہاں روشن چراغ

اس کے پاؤں میں لگی ہو گی درِ یار کی خاک
سرمہ کیجے قدمِ قاصدِ دل دار کی خاک

نہ تو نشتر کی نہ کچھ خنجرِ خونخوار کی نوک
لے گئی سب پہ فضیلت مژۂ یار کی نوک

روندتا ہی تو عبث ای یار گلشن پانو میں
کشتگانِ عشق کے ہیں لاکھوں مدفن پانو میں

اس قدر چہرہ نہ کر غصے سے ای یار آتشیں
ہی مرا نازک مزاجی سے دلِ زار آتشیں

توڑا قلم، ملے کفِ افسوس، چپ رہا
جب کھنچ سکے نہ یار کے نقاشِ چیں سے ہاتھ

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہرام جی کچھ عرصے کے بعد سنبھل گئے اور انھوں نے اس قسم کی شاعری کو مشغلۂ بیکاراں سمجھ کر ترک کر دیا۔ چنانچہ نسخہ "ب" دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی سنگلاخ زمینوں میں انھوں نے جو غزلیں کہی تھیں اور جو نسخہ "الف" اور "ج" میں موجود ہیں ان میں سے کئی غزلوں کو نسخہ "ب" سے خارج کر دیا گیا ان منسوخ غزلوں میں سے چند غزلوں کے مطلع ملاحظہ ہوں۔

دل اپنا حسینوں میں عجب شان سے اٹکا
گہ رُخ میں کبھی کاکلِ پیچان میں اٹکا

تیری زلفِ عنبریں سے منھ جو موڑا سانپ کا
ہوگیا روپوش ہی عالم میں توڑا سانپ کا

ہوا غم سے میں جس کے گھل گھل کے کانٹا
رہا مجھ سے دل میں اسی گل کے کانٹا

تند خوئی سے ہے قاتل مہ جبینِ آتشیں
اس لیے کہتا ہوں اس کو نازنینِ آتشیں

اس ردِّ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے بعض آسان زمینوں میں بھی غزلیں کہیں۔ اس میں شک نہیں کہ انھیں بڑے شعرا کی صف میں نہیں بٹھایا جا سکتا لیکن بعض اوقات ایسے بھی شعر کہہ گئے ہیں جو زندہ رہنے اور ان کا نام زندہ رکھنے کے قابل ہیں۔ ان کے کلام میں خوبیوں کے ساتھ نقائص بھی موجود ہیں لیکن نور کا حسن تاریکی ہی ہے اس لیے میں نے ان اشعار پر رائے زنی کرنا پسند نہیں کیا اور ان کے معائب سے قطع نظر کرکے جستہ جستہ مختلف غزلوں سے چند ایسے اشعار چن لیے ہیں جو مختلف طبائع کو پسند آ سکتے ہیں۔

انتخاب

مالک ہے تو مجھے ہے جہنم تری قبول
لیکن بتوں کا عشق خدایا نہ جائے گا

شیشہ سمجھ کے ہائے دلِ بادہ کش نہ توڑ
اے محتسب! کسی سے بنایا نہ جائے گا

سنتے ہیں ہم کہ خانۂ دل میں ہے جا تری
ہم سے کسی کے دل کو دکھایا نہ جائے گا

حرماں نصیب جو نظرِ یار سے گرا
مثلِ سرشک پھر وہ اٹھایا نہ جائے گا

قاتل! ملی ہیں اس سے شہادت کی لذتیں
خنجر کو کیوں گلے سے لگایا نہ جائے گا

بزمِ خوباں سے حذر تھا عشق سے پرہیز تھا
ہائے دل بیٹھے بٹھائے کیسے مائل ہو گیا

فصلِ گُل آئی جنوں کا جوش ہے زنداں میں شور
آج ہر دیوانہ پیراہن سے باہر ہو گیا

تسکینِ دل و ترکِ بتاں ہو نہیں سکتا
یہ مجھ سے خداوندِ جہاں! ہو نہیں سکتا
غیروں سے میں سنتا ہوں کہ وہ یاں خفا ہے
پر مجھ کو یقیں ایسا گماں ہو نہیں سکتا
گو داغ دیے تم نے ہزاروں مجھے دل پر
میں تم سے جدا لالہ رخاں ہو نہیں سکتا

تسلّی کی تمنّا میں دکھایا تھا رُخِ جاناں
کیا کمبخت دل نے اور دونا اضطراب الٹا

ہوتی ہوگی غافلوں کو سیرِ گلشن میں خوشی
ہم نے جس دل پر نظر کی یک دلِ صد چاک تھا
کر دیا برباد ناحق باغباں تو نے ہمیں
آشیاں اپنا تہِ مشتِ خس و خاشاک تھا

شکوہ جو کیا جور و جفا کا تو وہ بولے
دیوانے ہو اس عشق میں کیا کیا نہیں ہوتا
خُم خالی ہوئے جاتے ہیں ساقی کے ہزاروں
لبریز مرا جامِ تمنّا نہیں ہوتا
روتا ہے جو سنتا ہے مرے عشق کا چرچا
دل اس سے لگایا کہ جو اپنا نہیں ہوتا

لطافت طائرِ روح رواں کی دیکھ حیراں ہوں
کہ اس نے قالبِ خاکی میں کیسے آشیاں باندھا

کبھی وہ روبرو آیا تو ہوتا
کوئی یاں تک اسے لایا تو ہوتا
نہ اٹھتے پھر تو نقشِ پا کی صورت
وہاں قسمت نے پہنچایا تو ہوتا
وہ مانے یا نہ مانے تجھ سے ہمدم
ولیکن اس کو سمجھایا تو ہوتا

دیر و آتش کدہ و کعبہ میں چکر مارے
ہائے حیرت کدۂ دہر میں کیا کیا دیکھا

گردِ باغ اڑتے ہیں وحشت زدہ مرغانِ چمن
مشورہ دیکھیے کیا آج ہے صیادوں کا

اُٹھ گیا اس کے رُخِ پُر نور سے جس دم نقاب
گوشۂ مغرب میں ہوگا آشیانِ آفتاب
جستجوئے پرتوِ انوارِ جاناں ہے ضرور
بے سبب چلتا نہیں ہے کاروانِ آفتاب

ماخوذِ جرم ہم سریٔ روئے یار ہے
کچھ آپ سے نہیں ہے یہ چکر میں آفتاب

دوُر ہو دردِ دل یہ اور دردِ جگر کسی طرح
آج تو ہم نشیں اسے لا مرے گھر کسی طرح

دلا غافل نہ ہو افسوس ہوگا
ہوا جس وقت یہ تارِ نفس بند

تیرے جلوے سے ہوا سلب جو نورِ مہتاب
صاف آیا نظر اس دم مہِ کامل پتھر

سمجھتے ہیں مجھے یہ کشتۂ سنگیں دلاں شاید
جو رکھتے ہیں مرے سینے پہ ظالم گورکن پتھر
ہمارے نالۂ پُر درد کو سُن کر گلستاں میں
ہوئے حیرت سے مرغانِ خوش الحانِ چمن پتھر

گیا جو بزم میں وہ بُت خجل ہوئے خوباں
اٹھا جو بزم سے سب ہو گئے خجل محظوظ

بہار آئی ہُوا شورِ جنوں میں مست دیوانے
چلا دستِ جنوں تارِ گریباں کا خدا حافظ

ہراس میں عکسِ عام وہاں عکس روئے یار
کیا تاب آئینے کی جو ہو روبروئے دل

سر بلندوں کی بھی گردن ہے صفِ رنداں میں خم
گردنِ مینا کو دیکھو محفلِ مستاں میں خم

ہاتھ نکلیں گے زمیں سے کشتگانِ عشق کے
تو اٹھا لے احتیاطاً اپنا دامن ہاتھ میں

غمگیں نہیں ہوں دہر میں تو شاد بھی نہیں
آباد گر نہیں ہوں تو برباد بھی نہیں
کرتا ہے عذرِ جور و جفا یار تو عبث
ہونا جو تھا ہُوا وہ ہمیں یاد بھی نہیں

عجب کچھ سلسلہ راہِ عدم کے کارواں کا ہے
چلے جاتے ہیں پیہم آشنا نا آشنا لاکھوں

نہ جذبِ جلوۂ معشوق گر عاشق کا رہبر ہو
نہ پروانہ ہو محفل میں نہ بلبل ہو گلستاں میں

کرو گے ذکرِ میرا غیر کے آگے تو کیا ہو گا
ہو ذکرِ آدم و شیطاں بہم آیاتِ قرآں میں

میں برہمن و شیخ کی تکرار سے سمجھا
پایا نہیں اس یار کو جھنجھلائے ہوئے ہیں

جو محوِ حسن ہیں عاشق وہ ہیں خاموش دیوانے
جو گویا ہیں تمھارے حسن کی تقریر کرتے ہیں

ہستی کو چھوڑ کر جو ہوئے محوِ ذات ہم
پایا تجھی کو یار جو ڈھونڈا تو ہم نہیں

اس کی مرضی ہے جسے چاہے وہ چڑھائے سر پر
کون کہتا ہے کہ ہے یار کا خود سر گیسو

توڑا قلم، ملے کفِ افسوس، چُپ رہا
جب کھینچ سکے نہ یار کے نقاشِ چیں سے ہاتھ

بتانِ سنگ دل کے رعب سے بولا نہیں جاتا
زباں ہو جاتی ہے منھ میں دمِ تقریر پتھر کی

رو یا جو ان کی بزم میں جھنجھلا کے یہ کہا
رسوا کریں گے دیدۂ خونبار آپ کے

جو ہم سری کا ترے رُخ سے اس کو ہے دعویٰ
سحر کو ہو تو ذرا ماہ رو برو ہم سے

مجھے دل سے جاناں بھلا کر گئے
اب انصاف کیجے یہ کیا کر گئے
نہ آتے تو بہتر تھا اک صبر تھا
غضب یہ کیا تم تو آ کر گئے

روئے روشن سے تمھارے دن ہوا آفاق میں
نیند آئی ہے ذرا زلفیں پریشاں کیجیے

پروانے کی ہمت ہے نہ پھر ہجر کو دیکھا
بلبل! تو نہ کر عشق کا دعویٰ مرے آگے

قدر دانی کا زمانے میں جو یہ عالم ہے
کیا تعجب ہے اگر گل سے گراں خار بکے

جیسا کہ اس سے قبل کہا جا چکا ہے بہرام اُردو ہی نہیں فارسی کے بھی شاعر تھے۔ نسخہ "ب" کے ساتھ ان کا فارسی دیوان بھی موجود ہے۔ اس میں ۲۷۰ صفحے ہیں۔ درمیان میں کئی صفحے سادے چھوڑ دیے گئے ہیں۔ ہر صفحے میں سات سطریں ہیں اور بعض صفحوں پر حاشیے میں بھی اشعار لکھے گئے ہیں۔ دیوان کی تاریخ مولوی غوث محی الدین ایجادؔ نے "سخن ہائے شیریں" (۱۲۹۶ء) سے نکالی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

بکشاد سحر دلبرِ من زلف دوتارا
صد مژدہ نسیمِ سحر و بادِ صبارا

مرحبا شربِ الفت کہ نیاز ست نماز
برائے اہلِ خرد خوفِ خطرۂ تعذیر

قیاِ تکبیر و قعود و نہ قیام ست اینجا
ہزار شکر کہ دیوانہ کردہ اند مرا

محشر بپاست بر سر کویش ز نالہ ام
دلم نہ مائل بتخانہ و کلیسائیست

لیکن بگوشِ یار نہ ایں ماجرا گزشت
ہوائے سجدۂ ابروئے آں خم آرائیست

زخالِ عارضِ او شد یقیں کہ گر دیدند
وائے نادانی چو تصویرِ گلی تیار شد

بہ ملکِ ہند بہ اسلام ہندواں گستاخ
نام آں نادر جہاں فغفور و خاقاں کردہ اند

تابِ دیدارِ او کجا بہرام
قالبِ من چوں ز آب و باد و از گلِ ساختند

گو ہوس رند و پارسا کردند
یک شرارِ تیز بگرفتند ازاں دل ساختند

پارہ پارہ شد دلِ عشاق ازاں گل ساختند
مگو بہرام سرِ عشق پیشِ ہر کس و ناکس

نالہائے عاشقاں دیدند بلبل ساختند
رموزِ عاشقی آنانکہ می دانند می دانند

مسلم ضیائی (ایم۔ اے)

ساتھ وہ گُل رو جو کل سیرِ گلستاں میں نہ تھا
شکلِ گل کیا چاک تا دامن گریباں میں نہ تھا

میں اسیرِ گیسوئے خوباں ہوا روزِ ازل
کب مرا دل حلقۂ گیسوئے پیچاں میں نہ تھا

شہرتِ لعلِ لبِ خنداں سے ای خورشید رو
لعل روشن کب نہاں کانِ بدخشاں میں نہ تھا

کشتگانِ تیغِ قاتل زندۂ جاوید ہیں
معجزہ کب یار کی شمشیرِ براں میں نہ تھا

سب سے پہلے بے تامل زیرِ خنجر سر رکھا
کیا میں سر دفتر ترے گنجِ شہیداں میں نہ تھا

سامنے تیرے رُخِ تاباں کے ای خورشید رو
داغ خجالت کب جبینِ ماہِ تاباں میں نہ تھا

جو گرے اس میں وہ سب آلودگی سے پاک ہیں
آبِ رحمت کب ترے چاہِ زنخداں میں نہ تھا

چہرۂ جاناں سے ناحق شاعروا تشبیہ دی
چشم و ابرو کا نشاں مہرِ درخشاں میں نہ تھا

ظلمتِ تربت سے جو زاہد ڈراتے تھے مجھے
نور کیا اتنا بھی میرے داغِ سوزاں میں نہ تھا

روتے روتے چشم سے چشمے بہے ای بحرِ حسن
کب سمندر موجزن اس چشمِ گریاں میں نہ تھا

گو کیے تعمیرِ صدہا قصر و ایواں منعمو!
کب مقامِ منعماں گورِ غریباں میں نہ تھا

روضۂ رضواں کی خواہش ہے نہ دوزخ کا خطر
کب تصور سے میں وارد کوئے جاناں میں نہ تھا

نارسائی اپنی ای بہرام اس کے در پہ ہو
کب خوشامد سے مرا سر پائے درباں میں نہ تھا

آئینۂ رُخ سامنے دستِ سکندر میں نہ تھا
یہ ترا انداز قدِ سرو صنوبر میں نہ تھا

حسنِ روز افزوں تجھے بخشا خدا نے ای صنم
تو کبھی محتاج زیبائش کا زیور میں نہ تھا

جو کلاہِ فقر نے بخشی ہے عزت دہر میں
مرتبہ یہ تاج اور دیہیم و افسر میں نہ تھا

کر دیے تاب و تواں ہوش و خرد اس پر نثار
کب خجل میں ان ہدایائے محقر میں نہ تھا

قتل سے میرے اگر قاتل ہوا منکر تو ہو
کیا کفِ رنگیں تھے خوں نوکِ خنجر میں نہ تھا

خالِ رخسارِ صنم نے عکسِ رُخ سے دی بہا
داغ اس کا کب دلِ ماہِ منور میں نہ تھا

ہے مجھے انساں کی ہمدم! عہدِ طفلی سے تلاش
جلسۂ صحبت مرا کچھ گاو اور خر میں نہ تھا

سوزشِ بیتابیٔ دل میں عجب پایا مزا ‏ ‏ ‏ لطف ایسا کشتۂ سیماب با زریں نہ تھا

دینِ زردشتی سے مجھے بہرام ہی پیشِ نظر ‏ ‏ ‏ جلوۂ آتش کدہ کب میرے منظر میں نہ تھا

ہوائے مشکِ چیں مشکِ ختن سر سے جدا ‏ ‏ ‏ پر نہ ہو سودائے زلفِ پرشکن سر سے جدا

مارتا خسرو کے سر میں ہائے چوکا کوہکن ‏ ‏ ‏ تیشے کو رکھا تھا ناداں کوہکن سر سے جدا

دیکھ پایا آئینے میں اپنا جو رنگِ صبیح ‏ ‏ ‏ اس لیے کرتا نہیں برگِ سمن سر سے جدا

ایک دن تیری کرے گی ابروے خمدار قتل ‏ ‏ ‏ اس لیے رکھتے نہیں اب ہم کفن سر سے جدا

تو چڑھائے جس کو چاہے اپنے سر پر اے صنم ‏ ‏ ‏ ہووے پھر کس طرح زلفِ پرشکن سر سے جدا

چاہ میں ڈوبیں کہیں یا غرق ہوں گرداب میں ‏ ‏ ‏ پر نہ ہوگی حسرتِ چاہِ ذقن سر سے جدا

جامِ وحدت بے تکلف تجھ کو حاصل ہو دلا ‏ ‏ ‏ گر تو کر دے سب ہوائے ما و من سر سے جدا

محوِ عشقِ رخ ہوئے بہرام ہم پھر کس طرح ‏ ‏ ‏ ہو تمنائے رخِ پرتو فگن سر سے جدا

ہمدمو جب مہرباں اپنا خدا ہو جائے گا ‏ ‏ ‏ وہ بتِ نا آشنا خود آشنا ہو جائے گا

اب خبر اس کو نہیں ہی جب ہوا فضلِ خدا ‏ ‏ ‏ گوش زد اس بت کے اپنا ماجرا ہو جائے گا

گر نہیں کرتا وفا ظالم تو کر مجھ پر جفا ‏ ‏ ‏ آخرش تیری جفا کا انتہا ہو جائے گا

جب وہ کہتا ہی کہ بوسہ لے کے کیا حاصل تجھے ‏ ‏ ‏ میں یہ کہتا ہوں کہ کیا نقص آپ کا ہو جائے گا

کیا جوابِ خط کی ہو قاصد کے جانے سے امید ‏ ‏ ‏ جب اسے دیکھے گا اس پر مبتلا ہو جائے گا

لے گئی جس دم شمیمِ زلفِ عنبر بو نسیم ‏ ‏ ‏ گرد یہ مشکِ ختن مشکِ خطا ہو جائے گا

چشمِ بینا چاہیے بہرام کیا مذہب کی قید ‏ ‏ ‏ ہر طرف سے جلوۂ نورِ خدا ہو جائے گا

یار سے جلسہ ہی مجھ کو روز و شب تقریر کا ‏ ‏ ‏ جب ہوئی تقریر حاصل کام کیا تحریر کا

سر گرا جو یار کے قدموں پہ جا کر وقتِ قتل
تا ابد احساں رہا سر پر مرے شمشیر کا

یار کی تصویر کھنچوا کر دوئی پیدا کروں
یار ہی موجود دل میں کام کیا تصویر کا

کوچۂ جاناں سے یہ اٹھنے نہیں دیتی مجھے
میں تو شاکر ہوں دلا! اس پانو کی زنجیر کا

کر دیا نادم مجھے اس آہ بے تاثیر نے
آہ جب تک کی نہ تھی ڈر تھا اسے تاثیر کا

سینے کا روزن ملایا روزنِ دیوار سے
میں تو قایل ہو گیا ای دل! تری تدبیر کا

جلوۂ روئے حسیناں ہی مرے پیشِ نظر
میں تو ہوں بہرامؔ بندہ بس اسی تنویر کا
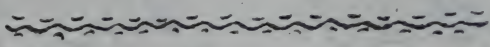
پرتو افگن رخِ پرنور ہوا خوب ہوا
قصرِ دل نور سے معمور ہوا خوب ہوا

رازِ مخفی کیا اظہار تو کم ظرفی تھی
لایقِ دار جو منصور ہوا خوب ہوا

تا ابد تیری نشانی یہ رہی ای قاتل
زخمِ دل کا مرے ناسور ہوا خوب ہوا

کون محفل ہی جو ہی یاد سے اس کی خالی
جا بجا یار کا مذکور ہوا خوب ہوا

بار سب کی جو امامت کا لیا زاہد نے
اپنی شیخی سے یہ مزدور ہوا خوب ہوا

شش جہت میں تو دکھاتا ہی وہ اپنا جلوہ
پھر بھی پردہ اسے منظور ہوا خوب ہوا

روز محفل سے جو غیروں کو نکلواتا ہی
اس کا بہرامؔ یہ دستور ہوا خوب ہوا
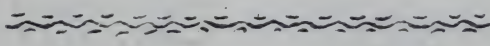
کر دیا دل کی کشش نے سیم بر سے آشنا
وہ کہاں ہوتا ہی ظالم زور و زر سے آشنا

گو نہیں ہی وہ صنم میری نظر سے آشنا
دل سے میرا آشنا ہی اور جگر سے آشنا

ہی تصور سے ہمیشہ یار کا دل میں مقام
گو نہیں ہوتا وہ بت میری نظر سے آشنا

خود تصوّر سے پہنچتا ہوں میں کوچۂ یار میں
ہوں نہ قاصد سے نہ مرغِ نامہ بر سے آشنا

ایسے قاتل کو دیا دل بے گنہ کرتا ہی قتل
مطلقاً ظالم نہیں ہی وہ گزر سے آشنا

جذبِ جاناں رہنمائے منزلِ مقصود ہی
کیا متعجب ہوں جو خضرِ راہبر سے آشنا

گو سکندر کو سفر سے ہو گئی عالم کی سیر ہم صفائے قلب سے ہیں بحر و بر سے آشنا

عشق ہی ہم کو لب و دندانِ گل رخسار سے دل ہمارا کیا ہو پھر لعل و گوہر سے آشنا

عیب پوشی پر نظر ہی ورنہ ہم غافل نہیں عیب سے بھی آشنا ہیں اور ہنر سے آشنا

دیکھ کر کیفیتِ قاروں قناعت کی قبول ہم نہیں بہرام ہوتے سیم و زر سے آشنا
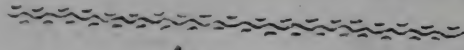
بہرام کو تو ہوش میں لایا نہ جائے گا گم ہی وہ اپنے آپ میں پایا نہ جائے گا

لوحِ مزار تک بھی جو آیا نہ جائے گا تو جذبِ دل سے تم کو بلایا نہ جائے گا

عشاق لاکھ فتنۂ محشر بپا کریں پردہ نقاب رخ سے اٹھایا نہ جائے گا

آتش رخوں کی بزم میں کیا دل کو لے چلیں کمبخت آگ ہی یہ چھپایا نہ جائے گا

ہم دل میں تا ابد تری تصویر لے چلے یہ نقش لوحِ دل سے مٹایا نہ جائے گا

قایل ہیں ہم بھی ناز کی ننگ و نام کے کیا خواب میں بھی آپ سے آیا نہ جائے گا

ہم گلرخو! کبھی نہ تمھیں لالہ رو کہیں یہ داغ ہم سے تم کو لگایا نہ جائے گا

مالک ہی تو مجھے ہی جہنم تری قبول لیکن بتوں کا عشق خدایا نہ جائے گا

بیٹھیں گے اس کے کوچے میں ہم مثلِ نقشِ پا ایسی ہی وہ جگہ کہ پھر آیا نہ جائے گا

شیشہ سمجھ کے ہائے دلِ بادہ کش نہ توڑ ای محتسب! کسی سے بنایا نہ جائے گا

ہی بے نشاں ضرور مگر مل گیا پتا کس طرح دل میں یار کو لایا نہ جائے گا

سنتے ہیں ہم کہ خانۂ دل میں ہی جا تری ہم سے کسی کے دل کو دکھایا نہ جائے گا

برسوں رکھا ہی دل میں تجھے تجھ سے ای خیال کیا خواب میں بھی یار کو لایا نہ جائے گا

حرماں نصیب جو نظرِ یار سے گرا مثلِ سرشک پھر وہ اٹھایا نہ جائے گا

دل مضطرب ہی ضبط ہو کیا آہِ آتشیں سیماب ہیں تو شعلہ چھپایا نہ جائے گا

قاتل! ملی ہیں اس سے شہادت کی لذتیں خنجر کو کیوں گلے سے لگایا نہ جائے گا

تشبیہ دی جو اس رُخِ روشن کو بدر سے / اب منھ انھیں سحر کو دکھایا نہ جائے گا
بہرام تم کو دیدۂ گریاں کا زعم ہی / صاحب! یہ رازِ عشق چھپایا نہ جائے گا

شب کو جو وہ ماہ رو میرے مقابل ہو گیا / پرزے پرزے یک بیک شلِ کتاں دل ہو گیا
عکسِ رُخ تیرا ہی یا نورِ مہ و خورشید ہی / جس کنوئیں کو تو نے جھانکا چاہِ بابل ہو گیا
بزمِ خوباں سے حذر تھا عشق سے پرہیز تھا / ہائے دل بیٹھے بٹھائے کیسے مائل ہو گیا
سمجھے سب شب میں ہوا ہی ماہِ کامل کا طلوع / جب سوارِ توسنِ شبرنگ قاتل ہو گیا
میں گیا تا جا کے دیکھوں قتل گاہِ عاشقاں / سب سے پہلے قتل کو تیار یہ دل ہو گیا
قامت و رخسارِ جاناں کی چمن میں تھی بہار / گرد اس کی شورِ قمری و عنادل ہو گیا
یادِ حق بہرام میں بھولا نہیں ہرگز کبھی / گو یہ میرا دل بُتِ کافر پہ مائل ہو گیا

دوست دشمن نے کیے قتل کے ساماں کیا کیا / جان بیتاب کے پیدا ہوئے خواہاں کیا کیا
بوسہ ہائے لبِ خوباں جو لیے ہیں پیہم / ہم نے قبضے میں کیے ملکِ بدخشاں کیا کیا
زلفِ جاناں کا تصور جو مجھے رہتا ہی / رنگ دکھلاتا ہی یہ خوابِ پریشاں کیا کیا
جوشِ وحشت میں جو پھرتا ہوں میں اب دشت بدشت / سیر دکھلاتا ہی دامانِ بیاباں کیا کیا
بزمِ خاموش ہی نے شور و شرِ خلق وہاں / لطف دیتا ہی مجھے شہرِ خموشاں کیا کیا
ہم وطن بھولے کہاں یاد نہیں صبحِ وطن / رنگ دکھلاتی ہی یہ شامِ غریباں کیا کیا
اٹھ گیا یار کا دامن جو ہوا سے بہرام / عاشقوں نے کیے یاں چاک گریباں کیا کیا

یار کی رفتار سے اک فتنہ برپا ہو گیا / عالمِ بالا پہ شورِ قدِ بالا ہو گیا
ہی اسیرِ زلفِ پیچانِ صنم دل کیا کرے! / دیکھ کر زلفِ رسائے یار شیدا ہو گیا

عشقِ ابروئے صنم میں نالہ پہنچا تا فلک
پر تصور سے خمِ ابرو کے ترچھا ہو گیا

ہے مری دیوانگی کا شور ہر سو شہر میں
ہے مزا وہ شوخ گرمِ تماشا ہو گیا

واہ ری قدرت ہوا نوری و ناری پر شرف
عشق سے مقبول یہ مٹی کا پتلا ہو گیا

سرو و گل سے ہو گئی قمری و بلبل منحرف
زیبِ گلشن یار کا جب حسنِ زیبا ہو گیا

ہنس کے بولے تیری جانبازی نہیں ثابت ہمیں
جب میں وقتِ قتل سوئے تیغ سیدھا ہو گیا

عشقِ گیسوئے سیاہِ یار جانے کس طرح
نقش میرے دل پہ یہ نقشِ چلیپا ہو گیا

کج روی آتی نہیں بہرام ہوں میں راست باز
راست بازی کا مری عالم میں چرچا ہو گیا
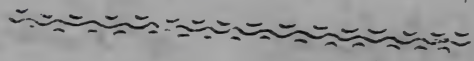
عشاق کا خیال جدا ہے نظر جدا
رخسارِ یار اور ہے، نورِ قمر جدا

زلف و رخِ صنم کا تصور ہے رات دن
ہم عاشقوں کا ہوتا ہے شام و سحر جدا

غربت پذیر ہم ہوئے ہجرانِ یار میں
رنجِ فراق تھا، ہوا رنجِ سفر جدا

وہ نخلِ بے ثمر چمنِ دہر میں ہوں میں
رہتا ہے جس درخت سے برگ و ثمر جدا

آتش رخوں کا نور ہے پیشِ نظر مرے
بہرام اپنا مہر ہے وقتِ سحر جدا

یار کا جور و ستم بھی مجھ کو بہتر ہو گیا
داغِ سر اس نے دیا تو تاج و افسر ہو گیا

کوئے جاناں کے تجسس کی نہیں حاجت مجھے
شوقِ صادق تھا مرا جو صاف رہبر ہو گیا

آئینہ آتش کدے کا میں نے رکھا روبرو
میں بھی اس ظلمت کدے میں اک سکندر ہو گیا

زہر کیا افعی و اژدر کا کبھی مجھ پر چلے
میں جو مسموم سمِ زلفِ معنبر ہو گیا

فصلِ گل آئی جنوں کا جوش ہے زنداں میں شور
آج ہر دیوانہ پیراہن سے باہر ہو گیا

اس رخِ پُر نور کا عاشق ہوں جس کے روبرو
شعلۂ رخ سے خجل خورشیدِ انور ہو گیا

بندہ ان آتش کے پرکالے کا میں بہرام ہوں
نور سے آتش کدہ جس کے منور ہو گیا

کچھ لذتِ بوسہ کا بیاں ہو نہیں سکتا　　وصفِ لبِ شیریں دہناں ہو نہیں سکتا
تسکینِ دل و ترکِ بتاں ہو نہیں سکتا　　یہ مجھ سے خداوندِ جہاں! ہو نہیں سکتا
بیٹھا ہوں تری بزم میں خاموش ولیکن　　بیتاب ہوں اب ضبطِ فغاں ہو نہیں سکتا
رعبِ صنمِ شوخ ستمگار سے واللہ　　ظاہر یہ مرا دردِ نہاں ہو نہیں سکتا
غیروں سے میں سنتا ہوں کہ وہ یار خفا ہے　　پر مجھ کو یقیں ایسا گماں ہو نہیں سکتا
میں دم بدم اس بانگِ درا پر نہ رکھوں دھیان　　مجھ سے تو اے ہم نفساں! ہو نہیں سکتا
گو داغ دیے تم نے ہزاروں مجھے دل پر　　میں تم سے جدا لالہ رخاں ہو نہیں سکتا
آئینے سے دوں اس رخِ شفاف کو تشبیہ　　یہ مجھ سے تو اے شیشہ گراں! ہو نہیں سکتا
پھرتا ہے گزرگاہِ حسیناں میں شب و روز　　بہرام تو پابندِ مکاں ہو نہیں سکتا
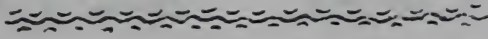
خوشامد نتیں کیں پر نہ اس رخ سے نقاب اُلٹا　　شبِ وصلت میں بھی ہم سے رکھا اس نے حجاب اُلٹا
تسلی کی تمنا میں دکھایا تھا رخِ جاناں　　کیا کمبخت دل نے اور دونا اضطراب اُلٹا
رخِ جاناں کا جلوہ شش جہت میں صاف روشن ہے　　نہیں بینا تو جھگڑا کرتے ہیں شیخ و شاب اُلٹا
تمنا ہے دلِ دیوانہ کو گیسوئے جاناں کی　　پھنسا خود قید میں مجھ کو دیا ہے پیچ و تاب اُلٹا
وفاداری کے بدلے میں جفائے یار ہے بہرام　　کیا تھا فعلِ احسن ہم پہ ہے نازل عذاب اُلٹا
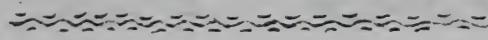
نفع کی جا ہائے اس دل نے ضرر پیدا کیا　　صندلیں رنگوں سے مل کر دردِ سر پیدا کیا
آئینے میں دل کے حاصل کی ہے جو تصویرِ یار　　مانی و بہزاد سے بڑھ کر ہنر پیدا کیا
ایک پتھر بھی نہیں طفلانِ بے پروا ادھر　　کیا مجھے ہستی میں نخلِ بے ثمر پیدا کیا
روز و شب شورش ہے اس میں خالقِ قدرت نے آہ　　دل مرا بہرام کیا مثلِ شرر پیدا کیا

یار کو ہم نے بر ملا دیکھا آشکارا کہیں چھپا دیکھا
لن ترانی کہا، کھلا دیکھا کنتُ کنزاً کہا چھپا دیکھا
کہیں خالق ہوا کہیں مخلوق کہیں بندہ کہیں خدا دیکھا
باغ میں ہی وہ ہر جگہ موجود کہیں غنچہ کہیں صبا دیکھا
کہیں عابد ہی وہ کہیں معبود گہہ مجاہد میں جبہہ سا دیکھا
کہیں لیلےٰ بنا کہیں مجنوں کہیں محبوبِ خوش ادا دیکھا
کہیں عاشق بنا کہیں معشوق کہیں ان دونوں سے جدا دیکھا
کہیں خورشید میں منوّر ہی کہیں مہتاب میں ضیا دیکھا
نظر آیا وہ میکدے میں مست کہیں مسجد میں پارسا دیکھا
کہیں ناآشنا ہی عاشق سے کہیں عالم سے آشنا دیکھا
کہیں بنتا ہی عاشقِ بیتاب کہیں خوباں کا پیشوا دیکھا
کہیں عاشق صفت دیا ہی دل کہیں معشوقِ دل ربا دیکھا
کہیں بلبل بنا کہیں قمری گہہ گل و سرو خوش نما دیکھا
گہ منزہ ہی یار وحدت میں گاہ کثرت میں جابجا دیکھا
گاہ ممکن ہی گاہ ہی لا شیٔ یار کا ماجرا انوکھا دیکھا
جلوہ اس کا ہی ہر طرف روشن اپنے جلوے پہ خود فدا دیکھا
عقل حیران ہو گئی یہ تمام یہ تماشا جو یار کا دیکھا

گو سرِ کبرِ شہاں بالائے ہفت افلاک تھا ایک دن آخر مقام ان کا یہ زیرِ خاک تھا
رونقِ مقتل جو کل وہ قاتلِ سفاک تھا پہلے جو سب سے گرا میرا دلِ بیباک تھا
ہوتی ہوگی غافلوں کو سیرِ گلشن میں خوشی ہم نے جس گل پر نظر کی ایک دل صد چاک تھا

کر دیا برباد ناحق باغباں تو نے ہمیں — آشیاں اپنا تہ مشتِ خس و خاشاک تھا
واہ کیا پیرِ مغاں کا انتہائی لطف ہے — بے تکلّف لوٹتا ہر مست زیرِ تاک تھا
عشق با تاثیر کو ہے حسن پر غلبہ مدام — دیکھ لو پیراہنِ یوسف بھی اک دن چاک تھا
ہاتھ بھی آئی نہ انساں کے عناں اس کی کبھی — توسنِ عمرِ رواں بھی کیا غضب چالاک تھا
جوشِ آہِ آتشیں سے اڑ گیا انگورِ زخم — یہ ہمارے شیشۂ دل کا مگر اک کاک تھا
ہائے اس کے گیسوئے بل دار تک پہنچا نہیں — گو دلِ بہرام مثلِ شانۂ صد چاک تھا
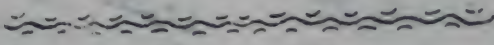
محفل میں جو وہ یارِ خود آرا نہیں ہوتا — کچھ نالۂ دف و چنگ کا چرچا نہیں ہوتا
شکوہ جو کیا جور و جفا کا تو وہ بولے — دیوانے ہو اس عشق میں کیا کیا نہیں ہوتا
خم خالی ہوئے جاتے ہیں ساقی کے ہزاروں — لبریز مرا جامِ تمنّا نہیں ہوتا
عالم کو ترے گیسوئے مشکیں سے ہے سودا — بازاروں میں اب مشک کا سودا نہیں ہوتا
صد ہا دلِ عشّاق ہوئے شانہ صفت چاک — پر صاف وہ گیسوئے چلیپا نہیں ہوتا
محفل میں وہ کب مجھ سے کنارا نہیں کرتے — کب غیر کی جانب کو اشارا نہیں ہوتا
خود رفتگی لازم ہے تصوّر میں تمہارے — میں مستِ مے و بادۂ صہبا نہیں ہوتا
تا عرش بریں جاتے ہیں گو نالۂ عشاق — اللہ رے تغافل کہ وہ شنوا نہیں ہوتا
کرتے جو نہ عشاق سے تم پردہ نشینی — ہنگامۂ محشر کبھی برپا نہیں ہوتا
نفرت جو نہ کرتے مری بیتابیٔ دل سے — یہ رازِ محبّت کبھی اِفشا نہیں ہوتا
لکھتا ہوں غزل دوسری دلچسپ میں بہرام — موقوف مرے دل سے یہ چرچا نہیں ہوتا

جب تک کہ معالج وہ مسیحا نہیں ہوتا — بیمارِ محبّت کبھی اچھا نہیں ہوتا
کب غیروں سے ابرو کا اشارا نہیں ہوتا — کس وقت مرے سر پہ یہ آرا نہیں ہوتا

کیا شکلِ بتاں پاک ہے اللہ رے لطافت — دل ان کا اگر آہن و خارا نہیں ہوتا

روتا ہے جو سنتا ہے مرے عشق کا قصہ — دل اس سے لگایا کہ جو اپنا نہیں ہوتا

ہوتا نہیں کب جور و جفا و ستم ایجاد — کب ناز مرے واسطے بیجا نہیں ہوتا

اے مسلم و ترسا و یہودی و نصارے! — اس یار کا جلوہ کہو کس جا نہیں ہوتا

ہے نکہتِ زلفِ صنم کافرِ بدکیش — کب اس سے خجل عنبرِ سارا نہیں ہوتا

ابرو کو ترے دیکھ کے کہتے ہیں سپاہی — یہ نیمچہ ایسا ہے کہ پیدا نہیں ہوتا

ناموسِ محبت سے ہے یاں ضبط وگرنہ — کب سیل مرے اشک کا دریا نہیں ہوتا

ذوقِ خلشِ خار نہیں کب مرے پا کو — کب عزم مرا جانبِ صحرا نہیں ہوتا

ہے سجدۂ نقشِ قدمِ یار کی حسرت — میں کعبہ و بت خانہ کا جویا نہیں ہوتا

مشتاقِ تماشائے رخِ یار ہے یہ دل — ہر جا پہ یہ دل محوِ تماشا نہیں ہوتا

مصنوع کو دیکھا تو ہوا صانع کا مشتاق — اے کاش مجھے دیدۂ بینا نہیں ہوتا

قطرے کو جو دیکھا تو ہوا بحر کا جویا — اچھا تھا جو میرا دل دانا نہیں ہوتا

ذرے میں جو ہے تابشِ خورشید تو دل پر — کیا حسن رخِ یار کا جلوا نہیں ہوتا

حاصل ہے مجھے جلوۂ نظارۂ جاناں — سائل میں کبھی صورتِ موسیٰ نہیں ہوتا

آئینہ صفت ششدر و حیراں ہوئے عشاق — پھر رو بہ رو وہ روئے مصفا نہیں ہوتا

فرعون مقابل وہاں، یاں قتل دو عالم — یہ دستِ نگاریں یدِ بیضا نہیں ہوتا

ہے آئینہ سازانِ حلب کو یہی تکرار — جب تک کہ نمایاں وہ کفِ پا نہیں ہوتا

ہے اس رخِ سادہ کی تلاوت مجھے منظور — میں ناظرِ قرآنِ محشا نہیں ہوتا

قمری! تجھے ہے سرو لبِ جو کی محبت — جب تک وہ خراماں بتِ رعنا نہیں ہوتا

عاصی ہوں گنہگار ہوں مجرم ہوں سراپا — پر ترکِ بتاں مجھ سے خدایا نہیں ہوتا

بندہ ہے یہ محبوبِ حقیقی کا ازل سے — بہرام بتو تم پہ تو شیدا نہیں ہوتا

ترے جلوے نے جاناں اک تماشے کا سماں باندھا ۔ کہ عالم میں لبِ دعوائے خوبانِ جہاں باندھا
لطافت طائرِ روحِ رواں کی دیکھ حیراں ہوں ۔ کہ اس نے قالبِ خاکی میں کیسے آشیاں باندھا
نئی تشبیہ ہے چاہِ ذقن تک زلف جب پہنچی ۔ تو ہم نے اس کو بیشک چاہِ بابل کا عنواں باندھا
گلے شیرینیِ گفتار پر عشاق نے کاٹے ۔ اسی سے تیغ کو ہم نے تمہارا ہم زباں باندھا
ہمیشہ گل سے بلبل کو جدا کرتا ہے یہ ظالم ۔ تحیر ہے قضا نے کیوں دستِ باغباں باندھا
مرے آنے کو محفل میں جو کنڈی اس نے کھولی ہے ۔ فقط اس جرم پر ظالم نے دستِ پاسباں باندھا
یہ شاعر ہے دکن کا پر ذرا بہرام کو دیکھو ۔ تمہارا روزمرہ اس نے کیا اہلِ زباں باندھا
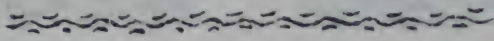
رہے آزاد دنیا میں نہ بارِ ما و من باندھا ۔ مگر دل کو پئے یادِ خدائے ذو المنن باندھا
مرے دل میں تجلی ہے جو عکسِ روئے جاناں کی ۔ اسی باعث سے دل کو قصرِ عرفانِ کہن باندھا
تلاشِ نکہتِ کاکل ہے اس دلدار کی لازم ۔ خطا کی جس نے دل اپنا سوئے مشکِ ختن باندھا
رہا ناحق پٹکتا سر کو زاہد سنگِ کعبہ سے ۔ اسی صورت سے تو نے بت سے دل اے برہمن باندھا
جو ہوتا پختہ کرتا عشق محبوبِ حقیقی کا ۔ یہ خامی الفتِ شیریں میں دل اے کوہکن باندھا
ارے اے عندلیبِ زار سب آخر کو فانی ہے ۔ جو حسنِ ظاہری پر تو نے دل سوئے چمن باندھا
رہا بہرام یادِ حق میں دیر و کعبہ سے غافل ۔ نہ دل تجھ سے میں نے مثلِ شیخ و برہمن باندھا
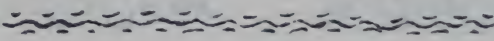
کبھی وہ رو برو آیا تو ہوتا ۔ ادھر بھی جلوہ فرمایا تو ہوتا
نہ رہتا پیچ و تابِ سنبلِ تر ۔ ترے گیسو نے بل کھایا تو ہوتا
پسِ دیوار بھی جا گہ نہ دی ہائے ۔ کہ اس کافر کا ہمسایہ تو ہوتا
گلے کٹتے ہزاروں بے تکلف ۔ تو خنجر ہاتھ میں لایا تو ہوتا
نہ اٹھتے پھر تو نقشِ پا کی صورت ۔ وہاں قسمت نے پہنچایا تو ہوتا

خجل ہو جاتا خورشیدِ قیامت — کبھی تو بام پر آیا تو ہوتا

خمِ گیسو میں ہیں دل ہائے عالم — کبھی اس بل کو سلجھایا تو ہوتا

ترا جلوہ ہے روشن شش جہت میں — مرے دل کو بھی چمکایا تو ہوتا

وہ مانے یا نہ مانے تجھ سے ہمدم — ولیکن اس کو سمجھایا تو ہوتا

نہ رہتی قدرِ ماہ و مہرِ بہرام — وہ باہر پردے سے آیا تو ہوتا
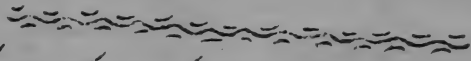
ہم نے تیرے قد و قامت کا تماشا دیکھا — کہیں فتنہ کہیں محشر کو بھی برپا دیکھا

ہر طرف جبکہ ترے نور کا جلوہ دیکھا — ایک سا مندر و کعبہ و کلیسا دیکھا

جس نے اس نورِ منور کا کفِ پا دیکھا — پھر نہ اس نے کبھی سوئے یدِ بیضا دیکھا

جلوۂ یار کے ہوتے طرفِ طور نگاہ! — واہ وا حوصلۂ حضرتِ موسیٰ دیکھا

قیدیٔ زلف کبھی، گاہ اسیرِ گیسو — ہم نے اس دل کو اسی طرح کا سودا دیکھا

ناظرِ اس روئے مخطط کے رہے ہم عاشق — زاہدو! تم نے جو قرآنِ محشّا دیکھا

ہر ضیائے مہ و خورشید کا عالم ہے راج — ہم نے ان سب کو ترے نور کا ذرّا دیکھا

تجھ سے سیراب ہوئے ساقیا! لاکھوں میکش — خالی اپنا ہی فقط جامِ تمنا دیکھا

مسلکِ کافر و ترسا پہ نہیں کچھ موقوف — ہم نے ہر بزم میں اس یار کا چرچا دیکھا

شایقِ کسبِ سعادت ہوں جہاں شاہ و گدا — وہ اسی یار کی دیوار کا سایا دیکھا

مرحبا کون و مکاں دل میں سمائے اپنے — قصرِ دل میں بھی عجب طرح کا نقشا دیکھا

کیا نظر ہو رخِ آئینہ پہ اس کی جس نے — سادہ رویوں کا رخِ سادہ مصفا دیکھا

اشک میرے نہیں تھمتے ہیں تو کہتا ہے وہ شوخ — سمجھے جس چشم کو چشمہ سو وہ دریا دیکھا

دیر و آتش کدہ و کعبہ میں چکر مارے — ہائے حیرت کدۂ دہر میں کیا کیا دیکھا

سروِ گلشن ہو صنوبر ہو کہ ہو فتنۂ حشر — سچ تو یہ ہے کہ غضب وہ قدِ بالا دیکھا

جس طرف روئے منور ہو کرے تو سجدہ　　تجھ کو بہرام رخِ یار کا شیدا دیکھا

کوئی شنوا نہیں ای دل تری فریادوں کا　　کوئے خوباں نہیں یہ کوچہ ہی جلادوں کا
جب سے آشوبِ جہاں حسن بنی آدم ہی　　رو برو منہ نہیں ہوتا ہی پری زادوں کا
گردِ باغ اڑتے ہیں وحشت زدہ مرغانِ چمن　　مشورہ دیکھیے کیا آج ہی صیادوں کا
نبض کو چھوڑ کے پہنچا رگِ جاں پر نشتر　　دھیان کمبخت جو بہکا کہیں فصادوں کا
ہی دو عالم لبِ شیریں کا تمھارے مشتاق　　روز گار اب نہیں چلتا کہیں قنادوں کا
زاہدا! تو تو ہی پابند بہ تکبیر و اذاں　　تیری مسجد نہیں جلسہ ہی یہ آزادوں کا
لوٹتے ہیں ترے کوچے ہی ہیں مقبول جہاں　　رتبہ ہی شاہ سے اعلیٰ ترے افتادوں کا
ہی زبس جوشِ جنوں توڑی ہزاروں زنجیر　　ناک میں دم ہی مرے ہاتھ سے حدادوں کا
سینکڑوں قتل ہوئے سینکڑوں خانہ برباد　　انتہا کچھ بھی ہی قاتل تری بیدادوں کا
سامنے آتی ہی جب میری غزل ای بہرام　　صاد ہوتا ہی ہر اک شعر پہ استادوں کا

رکھتی ہی گلہائے گلشن پر جو دعویٰ عندلیب　　دیکھ بزمِ گلرخاں میں جا تماشا عندلیب
سروِ قامت لالہ رو اپنا گیا گلشن میں جب　　ہو گئی بیہوش قمری بھی نہ تنہا عندلیب
گلرخانِ لالہ رو کے عکس سے مرجھا گئے　　کر رہی ہی آج ہر گل سے یہ چرچا عندلیب
سامنے رخسارِ جاناں کے کہاں تجھ کو ہی تاب　　دیکھ اس کا روئے رنگیں ہی جو یارا عندلیب
نالہ ہائے دل نشیں ہیں بلبلِ ناداں ترے　　یہ گلوں کے دل ہیں یا ہیں سنگِ خارا عندلیب
کیا کہیں وارد ہوئی بادِ خزاں گلشن میں آج　　کر رہی ہی نالے سے جو حشر برپا عندلیب
ہی تاسف حال پر بلبل کے ای بہرام بس　　صبر کر بیٹھے خزاں میں اب خدارا عندلیب

ہے ترے رخسار نورانی میں شانِ آفتاب — میں فقط اس واسطے ہوں مدح خوانِ آفتاب
روئے پُرانوارِ جاناں سے ہے بیشک مستنیر — ہوگیا روشن ۔ مجھے رازِ نہانِ آفتاب
عارضِ تاباں کی تیرہ دل کو ہو کیسے ہوس — جو ہیں روشن دل وہی ہیں رازدانِ آفتاب
اٹھ گیا اس کے رخِ پُرنور سے جس دم نقاب — گوشۂ مغرب میں ہوگا آشیانِ آفتاب
فیضِ مرشد ہے بقدرِ حوصلہ تاثیر بخش — ہے ہلال و بدر میں صاف امتحانِ آفتاب
جستجوئے پرتوِ انوارِ جاناں ہے ضرور — بے سبب چلتا نہیں ہے کاروانِ آفتاب
روئے جاناں کا تصوّر دل میں رہتا ہے مدام — قدرتِ حق سے ہوا یہ دل مکانِ آفتاب
زاہدِ شپّر صفت ہو حسن سے کب بہرہ مند — صاحبِ بینش ہیں بیشک قدردانِ آفتاب
عشقِ روئے یار میں ہے دل مرا نالاں مدام — کاش ہوتا یہ درائے کاروانِ آفتاب
اس کے رخ کے عشق میں دیکھا کیا خورشید کو — پیشوا سمجھے مجھے سب ناظرانِ آفتاب
فیضِ مرشد کے لیے کچھ ظرف اپنا بھی ضرور — ماہ و سایہ دونوں دیکھو پیروانِ آفتاب
شعلۂ رخسار کا ہوں محو ای بہرام میں — ڈھونڈتا ہوں صبح دم جو ارغوانِ آفتاب
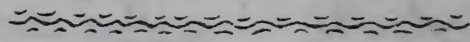
عارض ہے یا کہ زلفِ معنبر میں آفتاب — یا آگیا یہ حلقۂ اژدر میں آفتاب
دل میں تصوّرِ رخِ پُرنورِ یار ہے — رہتا ہے مثلِ صبح مرے بر میں آفتاب
رخسار دونوں بدر، تو ابرو ہیں دو ہلال — اس پر جبیں ہے چہرۂ انور میں آفتاب
ماخوذِ جرمِ ہمسریِ روئے یار ہے — کچھ آپ سے نہیں ہے یہ چکر میں آفتاب
چاہِ ذقن کے عارضِ روشن قریب ہے — پرتو فگن ہے چشمۂ کوثر میں آفتاب
عکسِ جبیں نہیں لب و دندانِ یار پر — نافذ ہوا ہے معدنِ گوہر میں آفتاب
ہے روئے تابناک پہ اس کے نقاب سرخ — یا رونما ہے لالۂ احمر میں آفتاب
خوباں کی بزم میں جو گیا یار، تھا یہ رنگ — نکلا ہو جیسے مجمعِ اختر میں آفتاب

اہلِ بصر کو نورِ رخِ یار کی طرح — آوے نظر نہ دیدۂ شپر میں آفتاب
بہرامؔ اک غزل لکھو اور اس زمیں میں تم — لاؤ اتار قسندِ مکرر میں آفتاب
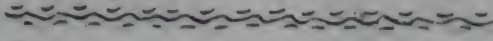
کچھ بے سبب نہیں ہی یہ چکر میں آفتاب — جو ڈھونڈتا پھرا یہ ہی گھر گھر میں آفتاب
مہرِ سپہرِ حسن ہی تو تیرے واسطے — زیبا ہی یار ہووے جو زیور میں آفتاب
اتنا فروغ، عکسِ رخِ یار سے ہوا — کب آئینہ تھا دستِ سکندر میں آفتاب
نادم ہی صاف ہمسریٔ روئے یار سے — گرتا ہی جو شعاع سے در در میں آفتاب
ساقی کے عکس روئے منور سے بارہا — دیکھا ہی ہم نے بادۂ احمر میں آفتاب
تاثیرِ فیضِ مرشد کامل ہی قدر پر — ہر جا بنائے لعل، نہ پتھر میں آفتاب
ہر داغ دل میں ہی مرے تصویرِ روئے یار — اخگر کے بدلے ہی مرے مجمر میں آفتاب
پردے سے دیکھ عارضِ پُرنور کی جھلک — حیراں ہوں میں کہ مخفی ہی چادر میں آفتاب
مقتل میں پرتوِ کفِ پُرنورِ یار سے — دیکھا ہی ہم نے جوہرِ خنجر میں آفتاب
آیا جو ذکرِ شمس قیامت تو بام پر — بولا وہ دیکھو عرصۂ محشر میں آفتاب
سیماب دل مرا ہی مگر عکس یار سے — قائم ہی اپنی آتشِ مضطر میں آفتاب
بہرامؔ اک غزل ہو بہ تبدیل قافیہ — کب تک لکھو گے بحر میں یا بر میں آفتاب
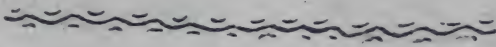
پھرتا ہی ڈھونڈتا جسے بن بن میں آفتاب — پایا وہ میں نے اس دلِ روشن میں آفتاب
تابِ تجلیٔ رُخِ روشن نہیں اسے — چھپتا ہی جا کے اسکے دامن میں آفتاب
پرویں ہو در گوش نوافشاں ہو کہکشاں — جائے نگیں ہو یار کے جوشن میں آفتاب
پرتو فگن ہو عارضِ جاناں اگر کبھی — ہر اک لعل ہو وہیں معدن میں آفتاب
بیشک تلاش ہی اسے دیدارِ یار کی — گرتا ہی جو شعاع سے روزن میں آفتاب

زیبا ہی تیری شان پر ای شہسوارِ حسن | ہو جائے نعل گر سمِ توسن میں آفتاب
حیراں ہیں قمریاں قد و رخسارِ یار سے | چسپاں ہوا ہی سرو کی گردن میں آفتاب
اللہ ری روشنی کفِ پر نور کی کہ ہی | آئینہ دستِ طفلِ برہمن میں آفتاب
روئے عرق فشاں میں بھی اعجازِ یار ہی | امرِ محال ہی کہ ہو روغن میں آفتاب
بیخود چمن میں عارضِ رنگیں سے عندلیب | شبنم کو ہی گماں کہ ہی گلشن میں آفتاب
عشقِ رخِ صنم میں کیا قبلہ نور کو | جب جا گزیں ہوا دلِ روشن میں آفتاب
بہرامؔ بھولنا نہ تصور میں روئے یار | گر چاہتے ہو ظلمتِ مدفن میں آفتاب
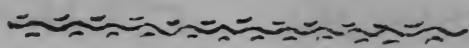
ہی جبیں سا یار تیرے سنگِ در سے آفتاب | نور میں افضل ہوا بس اس نظر سے آفتاب
ان کے رخساروں سے اک نورِ خدا کا ہی ظہور | کیا مقابل ہو بتانِ سیمبر سے آفتاب
سوزشِ دل داغِ سوزاں آہِ آتشبار سے | ہم نے دل اپنا کیا کس کس نظر سے آفتاب
کھل گیا جس دم کفِ پا اس بتِ پُرنور کا | پھر نہ نکلے گا گریبانِ سحر سے آفتاب
روشنی جس دم جھلکتی ہی دلِ پُر داغ کی | سب سمجھتے ہیں کہ نکلا میرے بر سے آفتاب
روئے روشن خالِ ابرو دیکھ کر حیراں ہی خلق | کیوں مسلح ہو گیا تیغ و سپر سے آفتاب
جلوۂ جاناں نظر آتا ہی مجھ کو چار سو | کچھ خبر مجھ کو نہیں نکلا کدھر سے آفتاب
یک غزل بہرامؔ لکھو اس زمیں میں اور بھی | تا ہو روشن اس ردیفِ خوب تر سے آفتاب
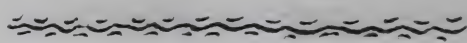
ہی مشابہ تیرے روئے خوب تر سے آفتاب | کیا جدا ہووے دلِ اہلِ نظر سے آفتاب
لعل کر دیتا ہی پیدا گو حجر سے آفتاب | ہی دلِ روشن دلاں تیری نظر سے آفتاب
اٹھ گیا کیا اس کے رخسارِ منور سے نقاب | ذرہ ذرہ ہو گیا ہی رہگزر سے آفتاب
جوششِ دریائے دل سے ہو تصور موجزن | پھر نظر آئے نہ کیونکر بحر و بر سے آفتاب

واہ وا نورِ کفِ روشن کہ جس کے عکس سے
منفعل ہی خنجرِ زیبِ کمر سے آفتاب

کعبہ و بتخانہ میں دیر و کلیسا میں پھرا
جب کیا دل جستجوے دربدر سے آفتاب

ہر شرر پر ہی شعاعِ مہر کا سب کو گماں
کیا مقابل ہو بھلا آہِ پر شرر سے آفتاب

تھا شعاعِ تیز پر دعویٰ عبث وقتِ غروب
کیا خجل ہی اس نگاہِ تیز تر سے آفتاب

شب کو ہی گر بدرِ کامل پر نظر بہرام کی
عشقِ رخ میں دیکھتا ہی پھر سحر سے آفتاب

بیٹھے ہیں کوئے یار میں اپنا مکاں ہی اب
خوفِ سقر نہ خواہشِ باغِ جناں ہی اب

کعبے کی جستجو ہی نہ بُت خانے کی تلاش
اپنا تو سجدہ گاہ وہی آستاں ہی اب

مثلِ خزف ہی کوئے بتاں میں جو دل کی قدر
بے قدر کس طرح سے یہ جنسِ گراں ہی اب

خنجر کوئے کے ہاتھ میں کہتا ہی مجھ سے یوں
خنجر بکف ہوں آج ترا امتحاں ہی اب

سنبل کا پیچ و خم نہیں مشکِ ختن خراب
کیا پیچ و تاب کاکلِ عنبر فشاں ہی اب

غافل نہ ہو کے بیٹھ کہ تیار ہی سفر
دیتا یہی صدا جرسِ کارواں ہی اب

قاتل کرے جو حیلۂ رنگِ حنا تو کیا
اپنا ثبوتِ خوں وہ کفِ خونچکاں ہی اب

بندے تو ہیں خدا کے تحیر کا ہی مقام
عالم تمام مائلِ حسنِ بتاں ہی اب

یادِ خدا کو اپنا نشیمن تو کر دلا!
پرواز پر یہ طائرِ روحِ رواں ہی اب

بہرام اک غزل ہو بہ تبدیلِ قافیہ
طبعِ رسا ہی توسنِ خامہ رواں ہی اب

آیا زوالِ حسن، وہ صورت کہاں ہی اب
وہ ناز وہ ادا وہ نزاکت کہاں ہی اب

بزمِ صنم میں اپنی وہ عزت کہاں ہی اب
وہ لطف وہ کرم وہ عنایت کہاں ہی اب

پھرتی ہی اڑتی خاک ہماری یہ سو بہ سو
ابرِ کرم، وہ بارشِ رحمت کہاں ہی اب

دامن جو آئے ہاتھ میں اس کا نہ چھوڑیے
ای ضعف! ہاتھ اٹھانے کی طاقت کہاں ہی اب

پہنچی فلک تک اس کے نہ دل میں اثر گیا اے آہِ بے اثر! تری ہمت کہاں ہی اب
قیدی ہی مو بہ مو تو ہوا خم بہ خم اسیر ای محوِ زلف دل! تری وحشت کہاں ہی اب
ہی فرطِ احتیاط دم اپنا کفن میں تنگ دستِ جنوں مدد! تری قوت کہاں ہی اب
کرتے ہیں آپ اشارے سے حاجت روائیاں محروم ہم ہیں آپ کی قدرت کہاں ہی اب
عہدِ شباب، بزمِ بتاں، نغمہ ہائے چنگ بہرام تم ہو پیر وہ صحبت کہاں ہی اب

نہیں سمجھا کوئی اسرارِ زردشت ہیں روشن ہر طرف انوارِ زردشت
ہوں اس سے دینِ زردشتی پہ قایم ازل سے کر چکا اقرارِ زردشت
جدھر دیکھوں نظر آتا یہی ہی جہاں میں عام ہی دربارِ زردشت
مثالِ گل شگفتہ ہی مرا دل کھلا ہی غنچۂ دربارِ زردشت
ہوئے ہیں مہر و مہ روشن اسی سے ہی سب پر پرتوِ انوارِ زردشت
ظہورِ نور ہی اس کا چمن میں کھلے ہیں جا بجا ازہارِ زردشت
دلِ روشن ہی اس کے نور کا فیض سیہ دل جو کرے انکارِ زردشت
ہی احکامِ خدا زردشت کا حکم نہیں حق سے جدا گفتارِ زردشت
کرے کیا گنجِ قاروں، جو ہوا ہی زرِ ایمان سے زردارِ زردشت
یہی ہی آرزو دل کی یہی ہی مئے ایماں سے ہوں سرشارِ زردشت
کہاں تک ہو سکے اوصاف بہرام لکھے پر صدق سے اشعارِ زردشت
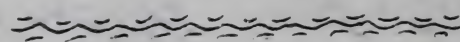
کب تصورِ یارِ گل رخسار کا فعلِ عبث عشق ہی اس گلشن و گلزار کا فعلِ عبث
نکہتِ گیسوئے خوباں نے کیا بے قدر اسے اب ہی سودا نافۂ تاتار کا فعلِ عبث
رشتۂ الفت رگِ جاں میں بتوں کا پڑ گیا اب بظاہر شغل ہی زنار کا فعلِ عبث

آرزو مند ہے شہادت عاشقِ صادق ہوئے | غیر کو ڈر ہی تری تلوار کا فعلِ عبث
جب دلِ سنگیں دلاں میں کچھ اثر ہوتا نہیں | گریہ ہی اس دیدۂ خونبار کا فعلِ عبث
خواب میں بھی یار کو اس کا خیال آتا نہیں | جاگنا تھا دیدۂ بیدار کا فعلِ عبث
خالی از حکمت ہوا بہرام کب فعلِ حکیم | کام کب ہی داورِ دادار کا فعلِ عبث

رکھتا تھا مدتوں سے یہ ٹھوکر کی احتیاج | بارے بر آئی آج مرے سر کی احتیاج
سمجھا تھا پائے یار کو ہی سر کی احتیاج | دیکھا تو میرے سر کو ہی ٹھوکر کی احتیاج
زیبایشِ بتاں ہوئی زیور سے عارضی | تو وہ حسیں تجھے نہیں زیور کی احتیاج
چمکا ہی عکسِ رُخ سے ترے درِ گوش خوب | عاشق کو کیا ہو پھر مہ و اختر کی احتیاج
الفت، نہ عاجزی، نہ خوشامد انھیں پسند | سیمیں تنوں کو ہی فقط اک زر کی احتیاج
سینہ سپر جو ہیں ترے میدانِ عشق میں | بزدل کی ان کو ہی نہ دلاور کی احتیاج
جب پیشِ چشم ہو رُخِ پُر نور یار کا | رکھتا ہی کون پھر مہ انور کی احتیاج
ہو بیخودی تو یادِ خدا میں گزار دیے | کیا نشۂ شراب میں ہو شر کی احتیاج
پیشِ نظر رہیں لب و دنداں جو یار کے | بہرام لعل کی ہی نہ گوہر کی احتیاج
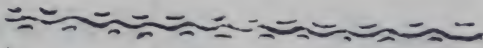
کیسا فروغِ شمع ہوا انجمن میں آج | اہلِ گداز جل نہ گئے پیرہن میں آج
مداح روئے یار ہی سب بزمِ شاعراں | نورِ خدا کا ذکر ہی بزمِ سخن میں آج
فانوس و شمع کی نہیں حاجت ہی بزم میں | روشن ہی دل مرا جو مرے پیرہن میں آج
آیا وہ رشکِ ماہ جو میرے مزار پر | کیا روشنی دل ہوئی میرے کفن میں آج
پہنچا کہیں جو مجمعِ رنداں میں بے خطر | خاموش سب ہی مجلسِ شیخ زمن میں آج
فردا کے حال کا نہیں افسوس کچھ خیال | ایسے پھنسے ہیں کبر میں یا ماومن میں آج

شاید وہ سروِ قامت و گلرو ہی باغ میں — بیخود ہوئی جو قمری و بلبل چمن میں آج
بہرآم ازل سے اس رُخِ تاباں کا محو ہی — مضموں نیا نہیں ہی یہ شعر و سخن میں آج

دور ہو دردِ دل یہ اور دردِ جگر کسی طرح — آج تو ہم نشیں اسے لا مرے گھر کسی طرح
تیرِ مژہ ہو یار کا اور نشانہ دل مرا — تیر پہ تیر تا لگے کیجے حذر کسی طرح
نالہ ہو یا کہ آہ ہو شام ہو یا پگاہ ہو — دل میں بتوں کے ہائے ہائے کیجے اثر کسی طرح
آئی شبِ فراق ہی رات ہی سخت یہ بہت — کیجے شمارِ اختراں تا ہو سحر کسی طرح
عشق میں دل سے ہم ہوئے محو تمھارے ای بتو — خالی ہیں چشم و دل کرو ان میں گزر کسی طرح
آئے وہ رشکِ قمر گھر میں ہمارے کس طرح — دل تو ہی شیشہ پری کو یہ اتارے کس طرح
قتل کر کے پھر تڑپنے پر خفا ہوتا ہی یار — دست و پا اپنے بھلا بسمل نہ مارے کس طرح
تیری جوتی کے چمکتے ہیں ستارے دن کو خوب — شرم سے دن کو چھپائیں منھ نہ تارے کس طرح
غیر کا ہی خوف بزمِ غیر میں بیٹھا ہی یار — ہم سے ہوں حسنا سلامت کے اشارے کس طرح
اشک جاری چشم سے بدنام اس کے عشق میں — سیر کو ہو ہمرہی دریا کنارے کس طرح
خوابگاہ دوست تک ہم کو رسائی ہی کہاں — پھر میں سہلاؤں کفِ پا پیارے پیارے کس طرح
کارِ دنیا فکرِ عقبیٰ گر نہ ہو کچھ غم نہیں — نام سے بہرآم ہو غافل تمھارے کس طرح

کر دیا دستِ جنوں نے مجھ کو پیراہن فراخ — ہو گیا چاکِ گریباں کے سبب دامن فراخ
میں کشادہ دل ہوں اپنے دوست دشمن سے مدام — چاہیے میرے لیے ای گورکن مدفن فراخ
سبب زردشتی یہودی عیسوی بندے ہوئے — ہی عجب بہرآم میرے یار کا دامن فراخ

نورِ رُخ سے مثلِ خورشیدِ درخشاں ہی وہ رُخ — لعلِ لب سے غیرتِ گلہائے خندہ ہی وہ رُخ

چشمِ نرگس گل ہی عارض سرو قد سنبل ہی زلف
غیرتِ گلشن ہی یار رشکِ گلستاں ہی وہ رخ

داغِ خجلت گلرخانِ دہر کے دل پر دیا
زیبِ بزم و پیشوائے لالہ رویاں ہی وہ رخ

مائل و آشفتہ چشمِ عاشقاں اس پر مدام
قدر دانِ حیرتِ عشاق حیراں ہی وہ رخ

زہرہ ہی یا مشتری نورِ تجلی یا ہی شمع
مہر کہیے ماہ کہیے سب کے شایاں ہی وہ رخ

گھر مرا ظلمت کدہ تھا آتے ہی روشن ہوا
فی الحقیقت غیرتِ شمعِ شبستاں ہی وہ رخ

ہم ہوئے روزِ ازل محوِ صفائے روئے یار
صاف اے بہرام میرا نورِ ایماں ہی وہ رخ
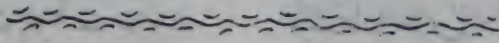
چمن میں ہی جو دست دادرس بند
کرو فریادِ مرغانِ قفس بند

ہوا قیس اضطرابِ دل سے بیتاب
ہوئی صحرا میں جب بانگِ جرس بند

دلا غافل نہ ہو افسوس ہوگا
ہوا جس وقت یہ تارِ نفس بند

مرے مژگاں ہیں تر اور اشک جاری
کرے دریا کو کیوں کر خار و خس بند

قناعت ہی اسے بہرام کافی
کرے انساں اگر دستِ ہوس بند

کیا ہی صندلیں رنگوں نے در بند
مرا ہو کس طرح سے دردِ سر بند

نہیں ہیں تیرے دامِ زلف میں دل
لٹکتے ہیں ہزاروں مرغِ پر بند

نہیں بت خانہ و کعبہ پہ موقوف
ہوا ہر ایک پتھر میں شرر بند

رقیبوں سے ہوئی ہی بزم خالی
کرو دروازہ بے خوف و خطر بند

تماشا بند آنکھوں میں ہی مجھ کو
ہوئی میری بظاہر چشمِ تر بند

نہیں دنیا میں آزادی کسی کو
ہی دن میں شمس اور شب کو قمر بند

دکھاؤ مے کشو اب زورِ مستی
کیا زاہد نے مے خانے کا در بند

درِ جاناں بھی اک مرجع ہی بہرام
ہجومِ عاشقاں ہی رہ گزر بند

تقریر میں ہی یار مرا دل رُبا لذیذ
شیریں ادائی میں بھی ہی شیریں ادا لذیذ

روزِ ازل سے خونِ جگر ہی مری غذا
تقدیر نے دیا ہی عجب ناشتا لذیذ

بوسہ جو لے لیا لبِ شیرینِ یار کا
اے دل خطا بڑی ہی ولیکن خطا لذیذ

قدموں پہ سر کو رکھنے سے مجھ کو کیا ہی قتل
سو بار قتل ہوں ہوئی ایسی خطا لذیذ

فرصت نہیں ہی کام سے بہرآم ختم کر
اشعار کا لگا ترے دل کو مزا لذیذ

جوش سودائے جنوں ہی جب سے دامنگیرِ سر
میں رہا گردش میں لکھی تھی یہی تقدیرِ سر

کوہ میں سر پھوڑتا ہوں اور گردش دشت دشت
ہو سکے کیا پانو کی تدبیر کیا تدبیرِ سر

نقشِ پا پر ہوتے ہیں سجدے یہ دیکھو قدرِ پا
یار کے سر پر فدا روحیں یہ ہی توقیرِ سر

ضعف ایسا ہی کہ سر پانو پہ رہتا ہی مدام
پانو کی زنجیر پر رشک ہی کہ ہی زنجیرِ سر

اب ہنسی سے یار میرے سر پہ رکھتا ہی قدم
یہ اثر ہی جذبِ دل کا یا کہ ہی تسخیرِ سر

نورِ زردشتی سے اے بہرآم روشن چشم ہی
ہی یہی تنویرِ دل اور ہی یہی تنویرِ سر

ہو گیا جورِ صنم سے یہ مرا دل پتھر
خوب ہی چاہیے پتھر کے مقابل پتھر

صورتِ پاک صنم اور ہوا دل پتھر
وائے قسمت کہ ہو آئینے سے حاصل پتھر

تیرے جلوے سے ہوا سلب جو نورِ مہتاب
صاف آیا نظر اس دم مہ کامل پتھر

بسمل عشق پہ آتا نہیں رحم اس کو ذرا
یا الٰہی یہ بنا کیسا دلِ قاتل پتھر

ہائے دلہائے بتاں کیسے بنائے یارب
جن کی سختی کے مقابل ہوے قائل پتھر

یار گلرو کو عجب دیکھ کے حیرت چھائی
ہوا سکتا ہوئے گل اور عنادل پتھر

تنگ دل تو ہوئے بُت اور یہ دل ہی نازک
دیکھ بہرآم ہی مینا کے مقابل پتھر

کھولے درباں نے جو اس کافرِ بے پیر کے در
کھل گئے آج مرے خانۂ تقدیر کے در

تیر سینے سے مرے صاف جو گزرے سفاک
مرحبا کھل گئے قصرِ دلِ دلگیر کے در

آہ مشکل سے مری بابِ اثر تک پہنچی
کھول یارب تو کہیں مخزنِ تاثیر کے در

شاہبازوں کی اسیری میں ہنر ہی صیاد
کھول دے تو قفسِ مرغِ عصافیر کے در

شیخ یاں بیٹھ کے کرتا ہی خلایق کو مرید
بابِ مسجد کہوں یا خانۂ تزویر کے در

چار دیوارِ عناصر تو ہیں اس بن تاریک
چاہیے اک دلِ روشن تو ہوں تنویر کے در

ہیں جو نقشِ قدمِ یار پہ سب سجدہ کناں
دیکھ عامل ہیں کھلے خانۂ تسخیر کے در

حلقے حلقے پہ نظر آتی ہی چشمِ حیراں
یا کشادہ ہیں مرے خانۂ زنجیر کے در

لبِ شیریں ترے وا ہوتے ہیں وقتِ گفتار
کھلتے ہیں یار ترے مخزنِ تقریر کے در

روزنِ در کے مقابل ہوئی چشمِ بیدار
بارے بہرام کھلے خانۂ زنجیر کے در
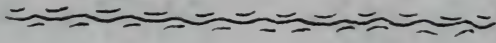
مری قسمت میں لایا ہی مرا دیوانہ پن پتھر
جو مجھ کو مارتے ہیں یہ بتانِ دل شکن پتھر

بہار آئی ہوا جوشِ جنوں وحشت کی شہرت ہی
فراہم کر رہے ہیں کودکانِ سنگ زن پتھر

کہیں پہنچی شمیمِ جعدِ مشکین بتاں شاید
کہ حیرت سے ہوئے ہیں سب غزالانِ ختن پتھر

تصور میں تری صورت کے ہم نے بت پرستی کی
نہ پائی رمز سمجھے زاہدانِ بت شکن پتھر

ترے لبہائے نازک کو جو دی تشبیہ کیا سمجھے
کہ ہی لعلِ بدخشاں اور یاقوتِ یمن پتھر

انھوں کی شکلِ پاکیزہ نے عالم کو دیا دھوکا
الٰہی کاش ہوتے یہ بتانِ سیم تن پتھر

سمجھتے ہیں مجھے یہ کشتۂ سنگیں دلاں شاید
جو رکھتے ہیں مرے سینے پہ ظالم گورکن پتھر

ہمارے نالۂ پر درد کو سن کر گلستاں میں
ہوئے حیرت سے مرغانِ خوش الحانِ چمن پتھر

یہ نفرت نامِ الفت کی ہی مجھ کو دیکھ کر ظالم
اٹھائے ہاتھ میں ہیں گلرخانِ گلبدن پتھر

مجھے رکھنا برہنہ قبر میں ہی ننگِ عالم ہوں
مری چھاتی پہ ہی مرقد میں ہر تارِ کفن پتھر

تعجب ہی نہ کوئے یار نے دروازۂ دلبر
رہا صحرا میں مجنوں کاٹتا تھا کوہکن پتھر

یہ ضد کیوں ہی خلافِ ظاہری پایا نہیں جاتا
صریحاً پوجتے ہیں دونوں شیخ و برہمن پتھر

یہ کہتا ہی لگا ماتھا کہیں پہنچا کہیں جا کر
بہانے سے لگاتا ہی بتِ پُرمکر دفن پتھر

لیا ہی ہاتھ میں اپنے جو اس شوخ سمن بو نے
سرِ شوریدہ پر دیتا ہی بوئے یاسمن پتھر

قلم رکھ ہاتھ سے بہرآم دل لگتا نہیں تیرا
لکھے گا اب کہاں تک شاعرِ شیریں سخن پتھر
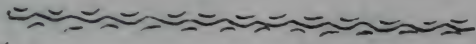
کیوں نہ ہوں میں ماہرو کو آج شاداں دیکھ کر
یار کا منہ میں نے دیکھا ماہِ تاباں دیکھ کر

یاد آئے پھر مجھے لبہائے رنگیں یار کے
دل کے ٹکڑے ہو گئے لعلِ بدخشاں دیکھ کر

گر پڑا بیتاب ہو کر تیغِ عریاں پر تری
جوش کھایا خوں نے جب شمشیرِ برّاں دیکھ کر

زخمِ دل اس کو دکھاتا ہوں کہ رحم آوے اُسے
یار ہنستا ہی جراحت ہائے خنداں دیکھ کر

پیچ پر پیچ اور خم پر خم پڑے دل پر مرے
یاد جب آئے وہ کاکل، سنبلستاں دیکھ کر

آخرش سب کا مقام اک دن مقامِ گور ہی
کیا ہوئی عبرت مجھے گورِ غریباں دیکھ کر

بندگی کو عجز لازم، کبر سے معمور ہیں
حیف آتا ہی مجھے یہ حالِ انساں دیکھ کر

کون کہتا ہی نہیں خوباں کو عاشق کا خیال
اشک پونچھے اس نے میری چشمِ گریاں دیکھ کر

یار کی دامن درازی کا ہُوا بہرآم محو
آ گیا چکر مجھے وہ دورِ داماں دیکھ کر
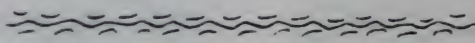
اک تو تھا بارِ غمِ کثرتِ عصیاں سر پر
بارِ خجلت ہُوا بہرآم دو چنداں سر پر

غم نہیں حشر میں ہو مہرِ درخشاں سر پر
ہم فقیروں نے لیا یار کا داماں سر پر

لے کوئی حسنِ عمل یا کوئی عصیاں سر پر
خاکساروں کو ہو خاکِ درِ جاناں سر پر

بارِ خاطر ہی جو ہو تاجِ زرافشاں سر پر
ہاں ترا نام ہی اپنا ہی یہ ساماں سر پر

ہم گدا ہیں ترے در کے نہیں جنت کی ہوس
در ترا چھوڑ کے لیں منتِ رضواں سر پر

سجدۂ نقشِ کفِ پا کی ہوس میں دیکھو — آبلے پانو میں ہیں خارِ مغیلاں سر پر
بل بے نفرت کہ زلیخا کی نہ تربت چاہی — اور یوسف نے لیا صدمۂ زنداں سر پر
ہوں میں کافر جو کروں ظلِ ہما کی پروا — سایہ افگن ہے اگر قامتِ جاناں سر پر
گل جو توڑا تو ہوا یادِ وطن کا چھٹنا — ہم نہ رکھیں کبھی گلہائے گلستاں سر پر
پانو پھیلا نہ تو ای اشکِ سرِ مژگاں سے — تجھ کو کافی ہی یہی دامنِ مژگاں سر پر
تھا نہ یعقوب کو معلوم جو رکھتے تھے عزیز — ہو گی یوسف کے لیے سیلیٔ اخواں سر پر
یہ ترا پنجۂ رنگیں جو نہ ہوتا قاتل — ہم نہ لیتے کبھی شمشیر کا احساں سر پر
مصحفِ روئے صنم کے ہیں مضامیں اس میں — کیوں نہ رکھیں مرے دیواں کو مسلماں سر پر
اس زمیں میں غزل اک اور بھی لکھو بہرام — دستِ تحسین رکھیں تا کہ سخن داں سر پر

زیورِ حسن ہی زیبا ہی دو چنداں سر پر — حسن افزا ہی ترا گیسوئے پیچاں سر پر
کر تو محفل میں زباں اپنی نہ زنہار دراز — دیکھ گل گیر بھی ہی شمعِ شبستاں! سر پر
ضعف سے ولولۂ جوشِ جنوں ہی برباد — پانو میں چاک گریباں ہی تو داماں سر پر
غیر سے تیرے اشارے ہیں جو یہ ابرو کے — روز چلتا ہی یہ ارّہ مرے جاناں سر پر
ہی یہ اعجازِ محبت کہ جنوں کی تاثیر — داغِ سوزاں نے دکھایا چمنستاں سر پر
واہ رے ضعف لگے سر پہ جو خارِ صحرا — یار سمجھا ہیں مرے تیروں کے پیکاں سر پر
جلوۂ یار کا نظارہ ہی مشکل بہرام — حشر میں بھی تو رہے دیدۂ انساں سر پر
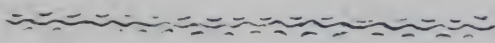
صیاد کی ہوئی ہی جو زلفِ رسا دراز — میرے دلِ اسیر کا ہی ماجرا دراز
قیدیٔ زلف ہیں ترے ہم تو بھو صنم — آشفتگی کا اپنی فسانہ ہوا دراز
جاتے ہیں کوئے یار میں رندانِ مست تیز — اٹھے نہ پانو ہی وہ رہِ پارسا دراز

سمجھے تھے ابتدائے محبت کو سہل ہم — دیکھا تو اس طریق کی ہے انتہا دراز
سر سے نہ پانو تک کبھی پہنچی ردائے عیش — کوتہ رہی ردا نہیں ملتی روا دراز
کوئی دلِ اسیر نہ ہو عمر بھر رہا — زلفِ رسائے یار ہے دامِ بلا دراز
میں نے کہا جو دردِ دل اپنا دیا جواب — بہرامؔ خوب آپ نے قصہ کہا دراز

رکھتا ہے دل جو ابروے خم دار کی ہوس — ہے مردِ راہِ عشق کو تلوار کی ہوس
دیوانے کو ہمیشہ ہے زنجیر کی تلاش — ہے دل کو میرے کاکلِ بلدار کی ہوس
ہوں مبتلا جو طفلِ برہمن کے عشق میں — بیجا نہیں جو ہو مجھے زنّار کی ہوس
ہے بزمِ یار جائے ادب ضبط تھا ضرور — نکلی نہ آہ دیدۂ خوں بار کی ہوس
دیوانہ عمر بھر ہے تمنائے وصل میں — یارب نکال دے تو دلِ زار کی ہوس

جلوۂ حسن سے میں کچھ نہیں تنہا مدہوش — طور پر ہو گئے تھے حضرتِ موسیٰ مدہوش
دورِ چشمِ صنمِ مست سے ہوں میں حیراں — مسلم و برہمن و کافر و ترسا مدہوش
زاہد و رند و گدا شاہ پہ کیا ہے موقوف — بادۂ عشق سے ہے سارا زمانہ مدہوش
جس طرف پڑ گئی اس شوخِ ستمگر کی نظر — بے تکلف ہوئے واں مسلم و ترسا مدہوش
واہ وا جذبِ درِ پیرِ مغاں کی تاثیر — تا درِ میکدہ جاتا ہوں میں تنہا مدہوش
نکہتِ زلفِ صنم سے ہے تماشائے عجیب — مشکِ چیں مشکِ ختن عنبرِ سارا مدہوش
میں ہی بہرامؔ نہ اس نور سے بیخود ہوں یہاں — اس کے انوار سے عالم میں ہیں کیا کیا مدہوش

لعلِ لب سے ترے سب اہلِ بدخشاں خاموش — تیری گفتار سے طوطیٔ خوش الحاں خاموش
بارہا شمع رخ تیرے رخِ تاباں کے حضور — ہم نے دیکھا تو ہوئی شمعِ شبستاں خاموش
آہ و نالہ سے اسے ہوتی ہے نفرت زاہد — بزم میں ضبط ہے لازم دلِ ناداں خاموش

تیری گفتار کے اعجاز سے کیا حیرت تھی بزم خاموش تھی ایسے ہوئے خوباں خاموش
مقتلِ عشق میں لازم نہیں عاشق کو تڑپ ہو تو بہرام تہ خنجرِ براں خاموش

ہرگز نہ لیجیو دلِ ناداں تو نام حرص گستردہ گو کہ ہووے جہاں میں یہ دامِ حرص
ترسا یہود و گبر و مسلماں و شیخ و رند دنیا میں دیکھتا ہوں جسے ہے وہ رامِ حرص
ناکام وہ رہے گا ہی جس کو طمعِ مدام دیکھا ہی ہم نے خواب ہی عزمِ خامِ حرص
ہم نے رکھے ہیں کام توکل پہ اپنے سب دل میں ہمارے یار نہیں ہی قیامِ حرص
بہرام ہی عجب کہ سمجھتے ہیں جی میں کیا اہلِ جہاں کے دل میں ہوا ہی مقامِ حرص

کر رہا ہی واہ کیا محبوبِ گل رخسار رقص خفتگانِ خاک کو کرتا ہی یہ بیدار رقص
بادۂ الفت سے کیا سرشار ہو جاتا ہوں میں جب ادھر آتا ہی وہ کرتا ہوا دلدار رقص
یہ صدا پازیب کی ہی صور پر فائق تری زاہدانِ مردہ دل کو بھی ہوا ہی یار رقص
مہر و مہ ارض و سما چکر میں آجاتے ہیں یار دیکھنے کی تاب کیا لاوے دلِ بیمار رقص
ہی عجب بہرام اس کے نورِ عارض کا فروغ تاب ہو کس کو ہی اس کا برقِ آتشبار رقص

آسماں چکر میں ہی تا کی بتِ خودکام رقص کر رہا ہی عالمِ بالا کو بے آرام رقص
شاکرِ فیضِ سخائے ساقی و پیرِ مغاں میکدے میں کرتے ہیں رندانِ مے آشام رقص
بام پر تھا یار نکلا جو ادھر سے شیخِ شہر بے خرد کرنے لگا دیکھ اس کو زیرِ بام رقص
واہ وا پیرِ مغاں کا یہ تصرف دیکھیے وجد میں کرتے ہیں مینا اور ساغرِ جام رقص
بت کدے میں الفتِ بت میں جو اک نالہ کیا برہمن بیخود ہوئے کرنے لگے اصنام رقص
انجمن میں صوفیانِ صاف طینت کو ہی وجد ہر گلی کوچے میں کرتے ہیں جو ہم بدنام رقص

آرزو ہی پھر زمانے سے یہ فرصت چاہیے	یار کا دیکھا کروں بہر آم صبح و شام رقص

غیرتِ گل ہیں ترے رشکِ گلستاں عارض	ماہِ انور ہیں ترے طفلِ دبستاں عارض
میرے ظلمت کدے میں یار جو آیا واللہ	ہو گئے صاف مجھے شمعِ شبستاں عارض
چشم نرگس ہی تمھاری تو ہیں لب بھی گلِ تر	کس طرح سے نہ ہوں رشکِ چمنستاں عارض
دھوم تیرے رُخِ شفاف کی آفاق میں ہی	آتے ہیں دیکھنے سب اہلِ پرستاں عارض
یار فایق ہیں ترے شمس و قمر سے عارض	پھر مشابہ ہوں بھلا کیا گلِ تر سے عارض
جس طرح چاک کتاں ہو مہِ تاباں سے مدام	لاگ رکھتا ہی ترا میرے جگر سے عارض
ہی درِ گوش جو روشن تہِ عارض جاناں!	زیب دیتا ہی ترا خوب گہر سے عارض
اب دُعا اپنی شب و روز یہی ہی بہر آم	بار گے ہوں نہ جدا دیدۂ تر سے عارض

رکھا سر پر جو آیا یار کا خط	گیا سب دردِ سر کیا تھا دوا خط
دیا خط اور ہوں قاصد کے پیچھے	ہوا تاثیر میں کیا کہربا خط
وہیں قاصد کے منھ پر پھینک مارا	دیا قاصد نے جب جا کر مرا خط
ہی لازم حال خیریت کا لکھنا	کبھی تو بھیج او نا آشنا خط
رہا ممنون کاغذ ساز کا میں	سنا دے گا اسے سب ماجرا خط
پتا ملتا نہیں اس بے نشاں کا	لیے پھرتا ہی قاصد جا بجا خط
رہی حسرت یہ ساری عمر بہر آم	نہ مجھ کو یار نے ہرگز لکھا خط

نقشِ شیریں کیا ہوا تجھ سے بت یکتا غلط	سب حسینانِ جہاں کا ہو گیا دعویٰ غلط
لے گئی جو گیسوئے مشکیں کی تیری بو نسیم	ہو گیا بازار میں سب عشق کا سودا غلط

کچھ اثر دیکھا نہ آہ و نالہ کا مطلق ذرا
زعم تھا تیرا اثر پر، ای دلِ شیدا غلط

جب بیانِ دردِ دل کرتا ہوں میں اس شوخ سے
ہنس کے کہتا ہی ترا قصہ ہی سرتاپا غلط

سیرِ گلشن یا تماشائے رُخِ خوباں کیا
یہ تماشا میں نے ای بہرام سب پایا غلط

جفا و جورِ صنم ہی کہاں ہو دل محظوظ
ہو وصلِ یار سے یا اب یہ مضمحل محظوظ

میں ہم جلیسِ صنم تھا فسردہ تھے اغیار
ہوا خفا جو وہ مجھ سے ہوئے منحل محظوظ

گیا جو بزم میں وہ بت خجل ہوئے خوباں
اٹھا جو بزم سے سب ہو گئے خجل محظوظ

نہیں ہی خواہشِ بستر بہ مخمل و کمخواب
میں ہوں بہ کوچۂ جاناں بہ لا و گل محظوظ

کبھی شکایتِ جور و جفا نہ کی بہرام
فقط رضائے صنم پر رہا بدل محظوظ

کھلی ہی زلف دل ہائے پریشاں کا خدا حافظ
کھلا روئے منور ماہِ تاباں کا خدا حافظ

چلا خوش قد مرا سیرِ چمن کو جوشِ مستی میں
پکاریں قمریاں سروِ گلستاں کا خدا حافظ

بہار آئی ہوا شورِ جنوں ہیں مست دیوانے
چلا دستِ جنوں تارِ گریباں کا خدا حافظ

تمھارے لعلِ لب کی ہو گئی شہرت جو عالم میں
ہوئے ہیں منفعل اہلِ بدخشاں کا خدا حافظ

چلا ہوں شہر سے سوئے بیاباں جوشِ وحشت میں
تاسف ہی کہ اب خارِ بیاباں کا خدا حافظ

بتانِ نازنیں کے حسن کا شہرہ ہی عالم میں
کہوں بہرام کیا اب اہلِ ایماں کا خدا حافظ

ہو چکا وعظ کا اثر واعظ
اب تو رندوں سے درگزر واعظ

صبح دم ہم سے تو نہ کر تکرار
ہی ہمیں پہلے دردِ سر واعظ

بزمِ رنداں میں ہو اگر شامل
پھر تجھے کچھ نہیں خطر واعظ

وعظ اپنا یہ بھول جائے تو
آوے گر یارِ سیم بر واعظ

ہے یہ مرغِ سحر سے بھی فایق — صبح اٹھتا ہے پیشتر واعظ
مسجد و کعبہ میں تو پھرتا ہے — کوئے جاناں سے بے خبر واعظ
شور و غل بند تو نہیں کرتا — ہے تو انساں کہ کوئی خر واعظ
ظاہری وعظ سے ہے کیا حاصل — اپنے باطن کو صاف کر واعظ
بندۂ کوئے یار ہے بہرام — تیری مسجد سے کیا خبر واعظ

* * *

جام، ساغر، شیشہ، مینا، ساقیِ سرشار شمع — لطف ہے گر بزم میں ہو یارِ گل رخسار شمع
ہائے کس بت کی محبت میں یہ ڈالا شمع نے — ورنہ مشکل ہے کہ ہووے صحبتِ زنّار شمع
روئے روشن رشکِ شمع و زلف رشکِ مشک ہے — کیسے باہم ہو گئے ہیں نافہ تا تار شمع
صاف ثابت ہے غمِ پروانہ میں گریاں ہے یہ — ہے جو اشکوں سے مشابہ دیدۂ خونبار شمع
ہے یہی حسرت مجھے بہرام حاصل ہو مدام — ساقیِ گلرو و مینا یارِ گل رخسار شمع

* * *

چاہیے ہم وحشیوں کو کیا سرِ مدفن چراغ — دیدۂ غولِ بیاباں ہیں یہاں روشن چراغ
روئے تاباں یار کا روشن جو ہے زیرِ نقاب — صاف آتا ہے نظر مثلِ تہِ دامن چراغ
نعل آہن سے نہیں اڑتے شرارے سنگ کے — قبر پر کرتا ہے روشن یار کا توسن چراغ
اللہ اللہ نور افشانی رخِ پُر نور کی — ہو گیا دیوار کا ہے اب ہر اک روزن چراغ
نورِ رخسارِ صنم کی زاہدوں کو کیا ہے قدر — مسجد و ویرانہ میں کرتے ہیں یہ روشن چراغ
میری آہِ سرد سے لیتا ہے وہ رُخ پر نقاب — بیشتر رکھتے ہوائیں ہیں تہِ دامن چراغ
عارضِ پُرنور ای بہرام ہے پیشِ نظر — اس لیے رکھتا ہوں اپنے سامنے روشن چراغ

* * *

لی خبر ان کی نہ تو نے یوسفِ ثانی دریغ — مر گئے زنداں میں تیرے یونہی زندانی دریغ

نکہتِ جعدِ معنبر پہنچی ہی آفاق میں — رشک ہی مجھ کو یہ عالم کی پریشانی دریغ
تیرے لعلِ لب سے ہی لعلِ بدخشاں کیا خجل — بحرِ خجلت میں ہیں ڈوبے لعلِ رُمانی دریغ
ہی کفِ نازک میں خنجر ہاتھ سے اٹھتا نہیں — یا سبب اس کا ہوئی میری گراں جانی دریغ
عاقل و غافل ہیں کارِ دنیوی میں مشتغل — کیا کہوں بہرام ہی ان کی یہ نادانی دریغ

مائل ہی دل جو زلفِ گرہ گیر کی طرف — دیوانے کا خیال ہی زنجیر کی طرف
سنتا نہیں زباں سے وہ قاصد کی میرا حال — کرتا نہیں خیال بھی تحریر کی طرف
ہی میرے دل کو ابروئے قاتل سے بس کہ انس — دائم مرا خیال ہی شمشیر کی طرف
نوکِ مژہ کا بار کے زخمی ہوں اس لیے — سینے کو کر رکھا ہی ہدف تیر کی طرف
جادو تری نگاہ میں تقریر میں ہی سحر — عالم کا دل گیا تری تقریر کی طرف
نورِ رُخِ صنم ہی مرے دل میں جاگزیں — بہرام اس سے محو ہوں تنویر کی طرف

داغِ سودا ہی گل و ریحانِ عشق — نالۂ و زاری سر و سامانِ عشق
سینکڑوں غواص ڈوبے ہائے ہائے — قہر ہی دریائے پُر طوفانِ عشق
گبر و مسلم کے تنازع سے چھٹا — کیوں نہ ہو یہ دل بلا گردانِ عشق
شورِ محشر سے نہیں ڈرتے ہیں یہ — بے خطر ہیں زاہدا! رندانِ عشق
وسعتِ سیرِ بیاباں دیکھ لی — یاد ہی لیکن مجھے زندانِ عشق
بیقراری آہ و زاری، اضطراب — ہی یہی ساز و سر و سامانِ عشق
زخمِ خنداں سینۂ بہرام کے — ہیں نظر آتے گلِ خندانِ عشق

اس کے پانووں میں لگی ہو گی در یار کی خاک — سرمہ کیجے قدمِ قاصدِ دلدار کی خاک

ہو تسلی دلِ مرغانِ قفس کی کچھ بھی | لا دے صیاد قفس میں کبھی گلزار کی خاک
کوچۂ یار سے اٹھتی نہیں عاری ہی نسیم | خو گر کوچۂ جاناں ہی تنِ زار کی خاک
دیر و کعبہ سے غرض رکھتے نہیں بادہ پرست | سجدہ گہ اپنی ہی زاہد دِرِ خمار کی خاک
دیتی ہی خلق کو تکلیف بگولہ بن کر | ہو گی بہرام بہ خوبانِ دل آزار کی خاک

نہ تو نشتر کی نہ کچھ خنجرِ خونخوار کی نوک | لے گئی سب پہ فضیلت مژۂ یار کی نوک
او کماں دار رہی کاوشِ دل تا بہ ابد | کیا بلا تھی ترے پیکانِ دل آزار کی نوک
تھی تجھے نشترِ دلدوز کی نخوت جرّاح | سخت جانی نے میری دیکھ وہ بیکار کی نوک
دل ہوا ہی ترے نالوں سے مشبک بلبل | نوکِ خنجر سے نہیں کم تری منقار کی نوک
آہو چشمانِ سیہ مست کی مژگاں ہیں غضب | ہی خجل شاخِ سرِ آہوئے تاتار کی نوک
ایک جنبش سے ہیں دلہائے دو عالم صد چاک | صنعِ قدرت سے بنی ابروئے خمدار کی نوک
دل ہی اشعار کے سننے سے مشبک بہرام | دردِ دل سے ہوئی پیدا مرے اشعار کی نوک

بھڑکی تمھاری گرمیٔ رُخ سے چمن میں آگ | بولی یہ عندلیب کہ آئی وطن میں آگ
ہی زلفِ عنبریں میں رخِ آتشیں ترا | کہتی ہی خلق لگ گئی ملکِ ختن میں آگ
میں نے کہا کہ سرخیٔ پاں ہی تری غضب | ہنس کر کہا کہ چل، لگے تیرے دہن میں آگ
آئی صبیح رنگ پہ سرخی شراب کی | پیدا ہوئی ہی آج گلِ یاسمن میں آگ
سوزش ہی داغِ عشق کی ایسی تو بعدِ مرگ | بہرام لگ اٹھے گی تمھارے کفن میں آگ

بہرام دل میں ہی کہ لکھوں کچھ ثنائے گنگ | کرتا ہوں صبح و شام جو نظارہائے گنگ
کرتا ہی غسل اس میں سو ہی قابلِ بہشت | نہریں بہشت کی ہیں کہ ہیں موجہائے گنگ

وہ آشنائے قدرتِ یزداں ہی بالیقیں — دنیا میں جو ہوا ہی کوئی آشنائے گنگ
بیشک قبولیت اسے یزداں کی ہی ثبوت — مائل ہی اک جہاں بسوئے غسل ہائے گنگ
فانی ہی سب جہاں یہ اسے سب پہ ہی شرف — ہی تا ابد جو روزِ ازل سے بقائے گنگ
ہی مہر و ماہ کو بھی عروج و غروب یاں — قایم ہی اک طرح سے مگر ارتقائے گنگ
اسرارِ مخفی اس میں ہیں عظمت بھری ہوئی — سمجھے وہی کہ جس کو کرامت دکھلائے گنگ
بیشک اس آبِ گنگ کو نیساں پہ فوق ہی — ہر قطرۂ آب کا ہی دُرِ بے بہائے گنگ
آبِ حیات پر بھی نہ ڈالوں نظر کبھی — دل کو یہ شوق ہی کہ نہ دیکھوں سوائے گنگ
اس قوم کو اسی سے شرف ہی ہنود میں — اطفالِ برہمن ہوئے دل سے فدائے گنگ
وسعت نہ کاغذوں میں نہ قدرت قلم میں ہی — عالم میں کون لکھ سکے وصف و ثنائے گنگ
اطفالِ برہمن سے جو صحبت ہی رات دن — بہرام مجھ کو لکھنی پڑی ہی ثنائے گنگ

تا چند بارِ جورِ بتاں اب اٹھائے دل — آخر تو دل ہی سنگ نہیں ہی بجائے دل
عالم کے دل کو زلفِ بتاں نے کیا اسیر — زنجیر ہی کہ دام ہی یا ہی بلائے دل
آزارِ عشق دیکھ اطبا نے یوں کہا — ہوتی نہیں مسیح سے بھی اب شفائے دل
اٹھتا نہیں ہی کوچۂ جاناں میں ہی مقیم — ہی متفق ہماری رضا سے رضائے دل
تھا ایک مضغہ پر یہ ہوا ہی کہاں رسا — کس کا ہی نور اس میں عجب ہی سرائے دل
کعبے میں مسجدوں میں پٹکتا ہی کیا تو سر — کمبخت شیخ ہو تو ذرا آشنائے دل
آہ و فغاں کے بعد یہ بہرام نے کہا — کوسِ رحیل اپنا ہی آخر قفائے دل

طفلی سے میں رہا ہوں جو عاقل کے متصل — بیٹھا نہیں ہوں میں کبھی جاہل کے متصل
ای چشمِ تر تو خانۂ دل کی خبر تو لے — پہنچی ہی آگ عشق کی اب دل کے متصل

نورِ رخِ صنم سے یہ تاباں ہی دُرِّ گوش / یا اک ستارہ ہی مہ کامل کے متصل

سب ماہیانِ بحر کا ساحل پہ تھا ہجوم / تڑپا میں جاکے جب کبھی ساحل کے متصل

بیہوش باغباں بھی گرا اور عندلیب / نالہ کیا جو میں نے عنادل کے متصل

ثابت بلا شہادت و محضر ہوا ہی خوں / میں سر بکف رہا ہوں جو قاتل کے متصل

بہرام حسنِ عارضِ خوباں پہ کیا نظر / شکرِ خدا ہی نورِ خدا دل کے متصل

دامانِ تر سے جاتی رہی آبروئے دل / ای اشکِ خجلت اب تو ذرا شست و شوئے دل!

ہی اس میں عکسِ عام وہاں عکسِ روئے یار / کیا تاب آئینہ کی جو ہو روبروئے دل

منزل ہی خاص یار کی جائے ادب ہی یہ / نازک ہی یہ مقام مطہر ہی کوئے دل

خود رفتہ ہم سے کیسے ہوں دلدار تک رسا / مدت سے ہو رہی ہی یہاں جستجوئے دل

بانگِ درا نہیں ہی نہ ہکو کرو تمیز / ای اہلِ کارواں ہی مری ہائے و ہوئے دل

اس کو نہیں ہی ضبط وہ بیزار آہ سے / ہی تندخو جو یار تو نازک ہی خوئے دل

ہوتی ہیں بزمِ یار میں جب مجھ کو ذلتیں / اس وقت دیکھتا ہوں بحسرت بسوئے دل

دیکھے سے گل کے ہی دلِ صد پارہ کا خیال / سونگھا جو گل کو آگئی بس مجھ کو بوئے گل

بہرام جام و ساغر و خم کی نہیں تلاش / یاں بادۂ الست سے چھلکا سبوئے دل

دیکھو ہیں عشقِ بتاں میں کیسے باتاثیر ہم / جذب سے آتی ہیں پریاں رکھتے ہیں تسخیر ہم

پانو چھوتے ہیں جو یارِ تندخو کے دم بدم / ان قصوروں پر ہیں بیشک لائقِ تعزیر ہم

شمع ہوتی بزم میں ہی پانی پانی شرم سے / جب دکھاتے ہیں تری یہ ساقِ پرتنویر ہم

خاکِ پائے یار اپنے ہاتھ آئی ہمدمو! / شکر کرتے ہیں ہوئے اب صاحبِ اکسیر ہم

حیلہ ہائے دردِ پا سے جاکے کوئے یار میں / بیٹھ کر اٹھتے نہیں کرتے ہیں یہ تدبیر ہم

وہ کماں ابرو اگر فرماں کرے کچھ کام کا　واہ وا جاتے ہیں دوڑے پھر تو مثلِ تیر ہم
ذکرِ ہجرِ یار اپنی بزم میں مطلق نہیں　رکھتے ہیں دل میں ہمیشہ یار کی تصویر ہم
واں نہ پروازِ کبوتر ہی نہ قاصد کا گزر　اس سے ملنے کی کریں بہرام کیا تدبیر ہم

آرزو دیدار کی ہی نکلے کیا ہجراں میں دم　رک رہا ہی یار میرے دیدۂ حیراں میں دم
دونوں عالم ہو گئے بسمل یہ تیزی ہی وہی　ہی قیامت یار تیرے خنجرِ براں میں دم
یار کے کوچے میں یارب اپنا لاشہ دفن ہو　اور نکلے وقتِ مردن محفلِ جاناں میں دم
تیر میں پیکاں تو دم پیکاں میں پہلو سے نہ کھینچ　ہی مرا سفاک اب اٹکا ہوا پیکاں میں دم
پاسِ ناموسِ ادب ہی ورنہ پہنچے تا فلک　ہی ابھی اتنا مری آہِ شرر افشاں میں دم
ناتواں ہو کر پڑے ہیں تو نہ کوچے سے اٹھا　اب نہیں باقی ترے عشاقِ سرگرداں میں دم
آرزوئے دین و دنیا اب نہیں بہرام کچھ　پر مرا نکلے امیدِ رحمتِ یزداں میں دم

سر بلندوں کی بھی گردن ہی صفِ زنداں میں خم　گردنِ مینا کو دیکھو محفلِ مستاں میں خم
سجدہ محرابِ حرم کا تا ابد لازم ہوا　یعنی ہی اس سے مشابہ ابروئے جاناں میں خم
گردنِ عالم جھکی ہی سب شہادت خواہ ہیں　ہی عجب اعجاز تیرے خنجرِ براں میں خم
شانہ ساں دلہائے عالم میں نہیں ہوتا ہی صاف　آ گیا کیسا بتوں کے گیسوئے پیچاں میں خم
آرزو ہی یہ کہ دنیا میں ہو استغنا نصیب　ہو سرِ بہرام ہر دم سجدۂ یزداں میں خم

تو پری رو ہی پری رو میں ترا دیوانہ ہوں　شمع رو تو ہی تو میں بھی بزم میں پروانہ ہوں
گل، خانِ یاسمن بو کو رہی نفرت مدام　شاید اس گلزار کا میں سبزۂ بیگانہ ہوں
بیخودی میں نشے کی بھی یار کو بھولا نہیں　یاد رکھ زاہد کہ محوِ سجدۂ شکرانہ ہوں

زاہدا! کیا تیری صحبت سے مجھے آرام ہے
میں ہمیشہ ہم جلیسِ صحبتِ رندانہ ہوں

دیر اور آتش کدے سے کیا مجھے بہرام کام
میں ازل سے مست و محوِ جلوۂ جانانہ ہوں

جلوہ ہے نور کا رُخِ روشن ترا نہیں
اب مہر و مہ کا یار کہیں تذکرہ نہیں

عنبر ہو یا کہ نافہ ہو یا سنبلِ چمن
پر ان میں یار نکہتِ زلفِ رسا نہیں

چشمِ غزال و نرگسِ فتاں سے کیا مثال
حیواں کی آنکھ آدمی سے خوشنما نہیں

مسّی کو مل کے کب لبِ رنگیں پہ یار نے
گلبرگِ تر کو غیرتِ سوسن کیا نہیں

ہے کون جو نہیں لب و دنداں سے منفعل؟
لعلِ یمن نہیں؟ گہرِ بے بہا نہیں؟

گردن کو تیری یار ہو کس سے بھلا شبیہ
بلور کی صراحی میں ایسی صفا نہیں

تیرے حنائی ہاتھ کا ہمسر نہیں کوئی
مرجاں کی شاخ کیا ہے کہ دستِ قضا نہیں

زانوئے صاف سے ترے آئینہ گرد ہے
شمعیں بلور کی ہیں تری ساقِ پا نہیں

تلووں سے ہے ترے یدِ بیضا خجل صنم
اہلِ حلب کے منہ پہ بھی نور و صفا نہیں

کیا مو کمر کہوں کہ رگِ جاں سے دوں مثال
معدوم ہے کمر مجھے اس کا پتا نہیں

بہرام کی غزل ہے سراپائے یار میں
اور اس کی کچھ مراد نہیں مدعا نہیں

وہ یار بیوفا اگر باوفا ہووے تو میں جانوں
بڑا نا آشنا ہے آشنا ہووے تو میں جانوں

ہوا کیا نالۂ دل ہو جو پتھر میں اثر تیرا
جو اس کے سنگ دل میں تو رسا ہووے تو میں جانوں

صنم زیبا ہے تجھ کو دعوئ یکتائی عالم میں
بایں شکل و شمائل دوسرا ہووے تو میں جانوں

رُخِ شفاف کی تیرے ہے جاناں دھوم عالم میں
جو ایسا روئے آئینہ صفا ہووے تو میں جانوں

اطبا سے تو کیا حاصل مسیحا بھی اگر آئیں
ترے بیمارِ ہجراں کو شفا ہووے تو میں جانوں

عمل لاکھوں کیے ہم نے لکھے تعویذ بھی لاکھوں
رقیبوں سے جو وہ کافر خفا ہووے تو میں جانوں

مشابہ ماہِ نو بہرام کیا ہو اس کی ابرو سے   مقابل اس کے مہرِ پُرضیا ہووے تو میں جانوں

شمع رو تو رونق افزا بزمِ رنداں میں نہیں   روشنی مطلق مری شمعِ شبستاں میں نہیں
آج وہ طفلِ پری پیکر دبستاں میں نہیں   بابِ پنجم یاد ہم کو بھی گلستاں میں نہیں
کیا شبِ دیجور میں اے اخترِ روشن نمود   یہ درِ گوشِ صنم زلفِ پریشاں میں نہیں
آخرش سب کی جگہ ہے دیکھ تو زیرِ زمیں   قیصر و فغفور کوئی قصر و ایواں میں نہیں
بازوئے قاتل ہے نازک سخت جانی ہے مری   یا روانی آج آبِ تیغِ براں میں نہیں
کیا بری ہو کر ہمارے خون سے ہوگا بری   داغ کیا خوں کا ہمارے اس کے داماں میں نہیں
قحط باراں سنتے تھے عالم میں دیکھا آنکھ سے   ایک آنسو آج اپنی چشمِ گریاں میں نہیں
یار کے روئے مصفا سے بھلا کیا ہمسری   دیکھ تو کب داغ روشن ماہِ تاباں میں نہیں
حال کیا برہم ہوا آشفتگانِ زلف کا   آج کچھ شورِ سلاسل تیرے زنداں میں نہیں
تار تار ایسا کیا دشتِ جنوں نے بار ہا   تارِ ثابت ایک بھی اپنے گریباں میں نہیں
تشنگانِ دشتِ الفت تشنگی سے تنگ ہیں   آبِ رحمت کیا ترے چاہِ زنخداں میں نہیں
کیا کروں، درِ عدن کی جستجو فعلِ عبث   کب درِ اشک اپنے اے بہرام داماں میں نہیں

الفتِ خوباں میں ہم نے لطف پایا کچھ نہیں   جز ملال و رنج حاصل اس میں دیکھا کچھ نہیں
میں یہ سمجھا تھا کہ وہ سمجھا وفائے دل کی قدر   آخرش سمجھا تو یہ سمجھا کہ سمجھا کچھ نہیں
سب اسیرانِ ستم کی ہو گئی کیا مخلصی   آج زنداں میں تمہارے شور و غوغا کچھ نہیں
تیری الفت میں ہوا بہرام رسوا خلق میں   پر تجھے اس کا لحاظ اے شوخِ ترسا کچھ نہیں

ہو گئی فایق مری لعل و گہر پر آستیں   اشکِ خوں جاری ہیں اور ہے چشمِ تر پر آستیں

ہی بہ عکسِ ساعدِ پر نورِ جاناں مستنیر
خندہ زن کیوں کر نہ ہو نورِ قمر پر آستیں

تا نہ ہر جا نورِ رخسارِ صنم ہو منتشر
روکتا ہوں روزنِ دیوار و در پر آستیں

بیخودی میں تن کی آگاہی نہیں کیا پیرہن
پرزے ہو کر گر پڑی ہی رہ گزر پر آستیں

کہتے ہیں اس کو رفاقت وقتِ گریہ ہر گھڑی
دوڑ کر آتی ہی میری چشمِ تر پر آستیں

شک ہوا رنگِ حنا سے ہی تہ دامن چراغ
آگئی ہی جو کفِ مطرب بسر پر آستیں

ہاتھ رکھا یار نے سینے پہ کیا ٹھنڈک ہوئی
مرہمِ کافور تھی سوزِ جگر پر آستیں

اشک سے ہوتی ہی تر رکھتے ہیں اکثر سر پہ ہم
کام آتی ہی ہمارے دردِ سر پر آستیں

جوشِ وحشت ہی تو ای بہرام کرتا ہوں میں چاک
دشت و صحرا میں گریباں اس کے در پر آستیں

معجزہ لب ہائے رنگیں غیرتِ عناب میں
نام جان بخشی فقط ای خضر تیرے آب میں

زینت افزا ہی گلیمِ فقر آب و تاب میں
ہی کہاں یہ شان و شوکت مسندِ کمخواب میں

رہتی ہی تا صبح اپنی ماہِ تاباں پر نظر
جب وہ مہ رو یاد آتا ہی شبِ مہتاب میں

دیر میں، آتش کدے میں، کعبے میں اس کا ظہور
اس لیے حیراں ہوں کیوں جھگڑے ہیں شیخ و شاب میں

روشنی نورِ تجلی و ضیائے حسنِ رُخ
کون سی خوبی نہیں اس روئے عالم تاب میں

ڈوبنے کی مجھ کو دریا میں ہی اس سے آرزو
اس کی چشمِ مست کی گردش ملی گرداب میں

شیشہ ہی ساغر نہیں ساغر ہی تو مینا نہیں
یونہی سرگرداں رہا اس عالمِ اسباب میں

ہوتی ہی حسرت مجھے کیا اتصالِ یار کی
دیکھتا ہوں متصل معشوق و آتش آب میں

شعلے کا رنگِ حنا سے مچھلیوں کو شک ہوا
پنجۂ گل رنگ ڈالا اس نے جب تالاب میں

کیسے مجھ کو دل خراشی خلق کی منظور ہو
ہی گدازِ دل سرودِ تار میں مضراب میں

کیا خیالِ حسرتِ رستم سے دل ٹکڑے ہوا
ہی تاسف مجھ کو حالِ رستم و سہراب میں

جلوۂ نورِ خدا پیشِ نظر بہرام ہی
کام کیا اب دیر میں یا مسجد و محراب میں

گل رخوں کے عشق میں ہیں داغ روشن ہات میں
ہی بجا گر بلبلوں کا ہو نشیمن ہات میں

ہاتھ نکلیں گے زمیں سے کشتگانِ عشق کے
تو اٹھا لے احتیاطاً اپنا دامن ہات میں

دستِ رنگیں پر گلِ رنگِ حنا ایسے ہیں یار
ساتھ اپنے تو لیے پھرتا ہی گلشن ہات میں

پھر یدِ بیضا کا شک ہو پنجۂ خورشید کو
عکسِ رُخ تیرا اگر ہو لمعہ افگن ہات میں

میں یہ سمجھوں بیعتِ تازہ مجھے حاصل ہوئی
ہات میرا لے جو وہ طفلِ برہمن ہات میں

محو اک آتش کے پرکالے کا میں بہرام ہوں
گر میں دیکھوں تو اٹھا لوں نارِ گلخن ہات میں

روندتا ہی تو عبث ای یار گلشن پانو میں
کشتگانِ عشق کے ہیں لاکھوں مدفن پانو میں
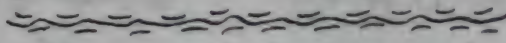
فتنۂ محشر بپا ہوگا ابھی ٹھوکر سے یار
دیکھنا آئے کہیں تیرا نہ دامن پانو میں

پانو تک زلفِ رسا کی ہی رسائی ای صنم
یا کہیں لپٹا ہی آکر مارِ رہزن پانو میں

اس کفِ پائے نگاریں میں نہیں رنگِ حنا
شوقِ پابوسی سے آ لپٹا ہی گلشن پانو میں

سنگِ مقناطیس کی سی جا بجا ہی مجھ کو کشش
آہنی رکھتا ہی نعل اس کا جو توسن پانو میں

الفتِ آتش رخاں کا یہ اثر بہرام ہی
روندتا ہوں میں جو آتش ہائے گلخن پانو میں
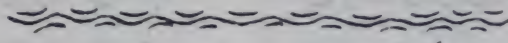
روئے تاباں یار کا خورشید سے کچھ کم نہیں
کب خجل اس کی ضیا سے نیرِ اعظم نہیں

سب حسینانِ جہاں ہیں سر بسر زر کے مطیع
پاس اپنے داغِ سینہ ہیں مگر درہم نہیں

ہیں خجل قوس و ہلال و خنجر و تیغِ ستم
قائلِ عالم ہی تیری ابروے پر خم نہیں

عشق میں اس زلف کے تو شکل شانہ بن گیا
صاف ہوتی تجھ سے ای دل کاکلِ برہم نہیں

اصل کی جانب کو ہر شی کرتی ہی زاہد رجوع
گر نہ چھوڑیں باغِ جنت ہم بنی آدم نہیں

نزع کے وقت آیا سمجھانے سے لوگوں کے وہ شوخ
ہنس کے بولا مکر ہی اس کا یہ کچھ بیدم نہیں

ہات دنیا سے اٹھا لے پہلے ای بہرام تو
پانو پھیلانے کا تجھ کو چار سو پھر غم نہیں

اشک میرا دیدۂ تر سے جدا کرتا ہی کیوں
اس صدف کو یار گوہر سے جدا کرتا ہی کیوں

دل مرا صد چاک مثلِ شانہ ہی تیرے لیے
پھر اسے زلفِ معنبر سے جدا کرتا ہی کیوں

ساقیا لے خُم کے خُم بیہوش میں ہوتا نہیں
تو مجھے صہبائے احمر سے جدا کرتا ہی کیوں

اس کی مژگاں سے مجھے جراح ہی وابستگی
تو رگِ جاں میری نشتر سے جدا کرتا ہی کیوں

اضطرابِ دل سے تیرے پانو پر رکھا اسے
سر مرا تو یار خنجر سے جدا کرتا ہی کیوں

کچھ گلا بہرام مجھ کو چرخِ گردوں سے نہیں
پھر مجھے یہ میرے دلبر سے جدا کرتا ہی کیوں

با اثر تھی آہ اب دل نارسا کرتا ہی کیوں
تیر لگتا تھا نشانے پر خطا کرتا ہی کیوں

ہم پہ یہ جور و ستم نا آشنا کرتا ہی کیوں
تھے عطا و لطف ہم پر اب جفا کرتا ہی کیوں

عشق ہی یا حسن دونوں لازم و ملزوم ہیں
پر یہ حیراں ہوں فلک ان کو جدا کرتا ہی کیوں

زاہدا کعبے کو جاتا ہی تو کر یادِ خدا
پھر جہازوں میں خیالِ ناخدا کرتا ہی کیوں

لاکھ بار اس سے کہا اس نے سنا ہرگز نہیں
پھر دلِ بیتاب عرضِ مدعا کرتا ہی کیوں

وہ فسانہ تیرے مطلب کا اگر سنتا نہیں
پھر تو ای دل اس سے عرضِ مدعا کرتا ہی کیوں

وہ ہوا برہم فقط کاکل کے چھونے سے دلا
ای دلِ ناداں اسے ناحق خفا کرتا ہی کیوں

زاہدا نورِ خدا ہی شش جہت میں جلوہ گر
سوئے قبلہ پھر نمازوں کو ادا کرتا ہی کیوں

یار کے رُخ کی صفائی کب اسے حاصل ہوئی
آئینہ بہرام منھ اپنا صفا کرتا ہی کیوں

غمگیں نہیں ہوں دہر میں تو شاد بھی نہیں
آباد اگر نہیں ہوں تو برباد بھی نہیں

ملتی تری وفا کی مجھے داد بھی نہیں
مجنوں نہیں ہی دہر میں فرہاد بھی نہیں

کہتا ہی یار جرم کی پاتے ہو تم سزا
انصاف اگر نہیں ہی تو بیداد بھی نہیں

انساں کی قدر کیا ہی جو ہو تیرے روبرو
تیرے مقابلے میں پری زاد بھی نہیں

افسوس کس سے یار کی کھنچوایے شبیہ | مانی نہیں جہاں میں ہی بہزاد بھی نہیں
کرتا ہی عذر و جور و جفا یار تو عبث | ہونا جو تھا ہوا وہ ہمیں یاد بھی نہیں
کشتہ ہوا ہوں ابروے خم دارِ یار کا | میرے لیے ضرورتِ جلّاد بھی نہیں
حسرت بھرے ہوئے گئے دنیا سے سینکڑوں | تصدیق کس سے کیجیے شدّاد بھی نہیں
بہرام میرے زورِ طبیعت سے ہی سخن | شاگرد میں نہیں ہوں نو استاد بھی نہیں

بوقتِ غوطہ ڈوبے ابروے خم گیر پانی میں | تلاطم ماہیوں میں ہی کہ ہی شمشیر پانی میں
جو تیرے گھیر رکھنے کی ہوس میں جزو تا کل ہی | بنی ہی پیچ ہائے موج کی زنجیر پانی میں
تمھارے جسمِ عریاں پر ہی لہریں مارتا دریا | مجھے حسرت ہی ای جاناں کرتا خیر پانی میں
تنِ پُر نور ہی بہرام عریاں بحر میں اس کا | تو ہی ساحل سے تا ساحل عجب تنویر پانی میں

اس قدر چہرہ نہ کر غصّے سے تو یارِ آتشیں | ہی مرا نازک مزاجی سے دلِ زار آتشیں
دل جلا شاید کہ عشقِ شعلہ رویاں میں مرا | اشک لاتی ہیں جو میری چشمِ خونبار آتشیں
آتشیں رویانِ عالم پر جو یہ دل ہی نثار | سیرِ گلشن میں نظر آتے ہیں گلزار آتشیں
گرمیِ صہبا ہوئی روئے مصفا سے نمود | ہو گئے عارض ترے ساقیِ سرشار آتشیں
ہوں میں زردشتی مرے بہرام ہی پیشِ نظر | آفتابِ صبح یا روئے پُر انوار آتشیں

ہم نے قاتل کا دمِ قتل جو پکڑا دامن | اس نے ہر چند چھڑایا پہ نہ چھوٹا دامن
حاجتِ بخیہ ہی مجھ کو نہ رفو ہی درکار | چاک رہنے دو میں دیوانہ ہوں میرا دامن
دورِ دامن سے ترے ارض و سما چکر میں | ہو گیا ہی ترا عالم میں تماشا دامن
ہیں عجب دل ہائے خلایق ترے دامن سے لگے | نظر آتا ہی ترا یار محشا دامن

ہاتھ کو میرے جھٹکنا نہ صنم تو للّٰہ — میں نے مضبوط لیا ہاتھ میں تیرا دامن
واہ وا عکسِ تنِ صافِ سمن بر کی جلا — ہو گیا رشکِ قمر اور مطلّا دامن
مسلم و راہب و کافر ہیں لگے دامن سے — عام بہرام ہے اس یار کا کیسا دامن

عدم کی راہ میں ہیں رفتگاں کے نقش پا لاکھوں — اگر ہو دیدۂ بینا ملیں یاں رہنما لاکھوں
نہیں ہے جوشِ رحمت کا تری پایاں کہیں جاناں — وفورِ مغفرت تیرا ہماری ہیں خطا لاکھوں
عجب کچھ سلسلہ راہِ عدم کے کارواں کا ہے — چلے جاتے ہیں باہم آشنا نا آشنا لاکھوں
تشابہ ہے تری ابرو سے محرابِ معابد کو — جھکاتے ہیں جو گردن اس میں رند و پارسا لاکھوں
مری فکر رسا یہ بے سبب بہرام کیا ہوتی — لکھے ہیں گیسوئے جاناں کے مضموں رسا لاکھوں

ہر دل میں حقِ الفتِ جاناں ادا کروں — ہے نقدِ جاں عزیز سو اس پر فدا کروں
ہے لذتِ جفائے صنم مجھ کو بیشتر — اس کی جفا ہزار ہو پر میں وفا کروں
دشنامِ یار و طعنۂ اغیار رات دن — نازک ہے دل مرا میں کہاں تک سنا کروں
دل چاک چاک شانہ صفت پہلے چاہیے — جب آرزوئے نکہتِ زلفِ رسا کروں
برہم ہوا ہے زلف کے چھونے سے وہ صنم — ہے لذت اک سزا میں نہ کیونکر خطا کروں
بہرام میری صنعتِ صانع پہ ہے نگاہ — کیونکر نہ بت کو دیکھ کے یادِ خدا کروں

زاہدوں میں ہوں نہ مستوں میں نہ ہشیاروں میں ہوں — بارِ عصیاں میرے سر پر ہے گرانباروں میں ہوں
بیخودی میری عبادت اور مستی ہے ریاض — خواہ میں ہوں بیخودوں میں خواہ سرشاروں میں ہوں
ہوں میں پابندِ سلاسل اور نہ زنجیروں میں قید — یار کی زلفِ مسلسل کے گرفتاروں میں ہوں
طائرِ رنگِ حنا ہوں طاقتِ پرواز ہے — پر نہیں معلوم بے پر ہوں کہ پرداروں میں ہوں

نے قُم عیسیٰ سے مطلب نے اطبا سے غرض
مرہم و درماں سے نفرت اس کے بیماروں میں ہوں

وصل ہے دشوار و مشکل حسرتِ بوسہ محال
ہاں مگر حیرت زدہ سا محوِ دیداروں میں ہوں

ہے تصور میں مرے ابروئے جاناں چار سو
الاماں اے ابروئے جاناں میں تلواروں میں ہوں

روشنی روئے روشن سے ہے روشن دل مرا
خواہ میں ہوں عاصیوں میں یا سیہ کاروں میں ہوں

دین و دل بیعانہ ہے اس کا نہ منہ پھیروں کبھی
نقدِ جاں بھی دے کے میں اس کے خریداروں میں ہوں

جس طرف ہو نور روشن اس طرف سجدہ کروں
میں زبس بہرام اس کے محوِ دیداروں میں ہوں

پیکاں مژہ کے تیرِ نظر دونوں ایک ہیں
مثلِ ہدف دل اور جگر دونوں ایک ہیں

حیرت سے ہائے عارضِ شفاف یار کے
آئینہ اور روئے سحر دونوں ایک ہیں

ذرہ ہے ماہ اس کا، کسی نے غلط کہا
کب روئے یار و نورِ قمر دونوں ایک ہیں

نظارگی ہیں روئے بتاں کی صفا سے ہم
وہ نورِ رخ، یہ اپنی نظر دونوں ایک ہیں

محوِ تصورِ کمرِ یار ہو گئے
تارِ نگاہ اس کی کمر دونوں ایک ہیں

ہوتا ہے قتل جنبشِ ابروئے یار سے
وہ ابرو اور تیغِ دو سر دونوں ایک ہیں

ہوتا نہیں ہے نقشِ قدم سے کبھی جدا
کیا نقشِ پائے یار، یہ سر دونوں ایک ہیں

حرکت کا بھی نہیں ہے جو ذرے کو اختیار
پھر صاف اپنے عیب و ہنر دونوں ایک ہیں

بہرام لکھتے ہو تو لکھو دوسری غزل
اس کی ردیف ہو یہ مگر دونوں ایک ہیں

اس کی رضا میں خیر کہ شر دونوں ایک ہیں
تسلیم ہو تو نفع و ضرر دونوں ایک ہیں

ذراتِ نورِ یار میں دونوں جدا نہیں
بینا کو شمس اور قمر دونوں ایک ہیں

مخفی نظر سے اور وجود اس کا ہے صحیح
یہ تارِ جاں اور اس کی کمر دونوں ایک ہیں

صبحِ شبِ وصال کہ شامِ شبِ فراق
بختِ سیہ سے شام و سحر دونوں ایک ہیں

کیا فرقِ نار و خاک میں دونوں میں ہی شرار
سجدے میں اس کے جنّ و بشر دونوں ایک ہیں

ہو اتفاق دل سے نہ ظاہر پہ ہو نگاہ
رونے کے وقت دیدۂ تر دونوں ایک ہیں

مضمونِ طبعِ یار مرے دل پہ ہی عیاں
تحریر یا زباں کی خبر دونوں ایک ہیں

بہر آم کیوں جدا ہوں میں پھونکی جو اس نے روح
دیکھو تو شاخ اور شجر دونوں ایک ہیں

رہے مصروف گو منعم بنائے قصر و ایواں میں
مقام اس کا ہی آخر ایک دن گورِ غریباں میں

رہا سر اپنا سنگِ آستاں پر کوئے جاناں میں
رہا آوارہ کوئی شہر میں کوئی بیاباں میں

کہاں ہی زندگی ہر دو عالم آبِ حیواں میں
یہ جوہر ہی مگر قاتل کے آبِ تیغِ براں میں

نظر آتا ہی جلوہ یار کا حسنِ حسیناں میں
بلاشک روشنی پھونکی ہی اپنی فتنۂ انساں میں

نہ جذبِ جلوۂ معشوق گر عاشق کا رہبر ہو
نہ پروانہ ہو محفل میں نہ بلبل ہو گلستاں میں

جو ہیں مقبول ہم جنسوں میں ان کو ہی شرف لازم
وہی قطرہ ہی دریا میں وہی قطرہ ہی نیساں میں

ترے ایمائے لب سے جملہ عالم ہو گیا پیدا
نہ ہو گا اور نہ تھا یہ معجزہ لعلِ بدخشاں میں

ملی ہم کو حیاتِ جاودانی ای کماں ابرو
ملا تھا آبِ حیواں تیر کے شاید آبِ پیکاں میں

الٰہی کیسے موزوں طبع دیوانے کو ہی شورش
مذاقِ نغمہ ہی شورِ سلاسل ہائے زنداں میں

نہ تھی تابِ ضیائے حسن آدم زاد اسی باعث
نہاں جنت میں حوریں ہو گئیں پریاں پرستاں میں

تعجب کیا ہی خالِ مصحفِ رخسارِ جاناں کا
نشان جائزہ ہی اور آیت ہی لازم خطِ قرآں میں

بذوقِ بوسۂ دستِ حنائی دل ہوا حیراں
جو دیکھا پنجۂ رنگیں کا عالم شاخِ مرجاں میں

بقائے نقشِ آبی غیر ممکن ہم تو سنتے تھے
تصور یار کا رہتا ہی کیونکر چشمِ گریاں میں

یقیں آئی ہمیں کیفیتِ جامِ جم ای ساقی
نظر آئی دو عالم کی حقیقت جامِ خنداں میں

جو وہ آیا بتِ ترسا تحیر سے ہوا سکتہ
ہوئی کیفیتِ بتخانہ ظاہر بزمِ خوباں میں

کرے معشوق کو محکوم لیکن عشق صادق ہو
فقط حکمِ زلیخا سے ہی یوسف قیدِ زنداں میں

پئے حسنِ حسیناں زیب و آرائش بھی لازم ہے
نہ دیکھا سرمے کا ڈورا کبھی چشمِ غزالاں میں

ہوئے گو قتل لاکھوں پر کھنچے جاتے ہیں سب عاشق
نئی تسخیر دیکھی ہم نے اپنے دشمنِ جاں میں

کرے گی ذکر میرا غیر کے آگے تو کیا ہوگا
ہے ذکرِ آدم و شیطاں بہم آیاتِ قرآں میں

مری دیوانگی کا شور ہے ہنگامہ برپا ہے
معلّم ڈھونڈتے پھرتے ہیں لڑکوں کو گلستاں میں

خلافت جب اسے بخشی ہوا اس کو شرف سب پر
دیے بہرام خالق نے یہ جوہر ذاتِ انساں میں

مو بمو بل سے جو زلفیں مہ جبیں کی کھنچ گئیں
یاں رگیں میرے دلِ اندوہ گیں کی کھنچ گئیں

ایک جھٹکا سحرِ خوبی نے جو کاکل کو دیا
کشتیاں عالم کے دلہائے حزیں کی کھنچ گئیں

عشقِ ابرو کر دیا میں نے جو نادانی سے فاش
مجھ پہ تیغیں خوب رویانِ حسیں کی کھنچ گئیں

ماہِ نو سے بھول کر تشبیہ دے بیٹھا جو میں
ابروئیں کیا دلبرانِ خشمگیں کی کھنچ گئیں

یار نے جب رخ بہ سمتِ عالمِ بالا کیا
سب طنابیں آسماں سے تا زمیں کی کھنچ گئیں

آج مقتل میں نہیں غلطاں و رقصاں کشتگاں
روحیں شاید کشتگانِ دل حزیں کی کھنچ گئیں

کچھ اثر ہوتا نہیں بہرام تاثیریں مگر
اب ہمارے نالہائے آتشیں کی کھنچ گئیں

شکر بہرام کروں بندۂ یزداں ہم ہیں
دل منور ہو تو پھر بادۂ عرفاں ہم ہیں

روئے پر نورِ صنم کے جو ہیں جویا زاہد
اس سے نظارگیٔ مہرِ درخشاں ہم ہیں

تا کہ مل جائے کوئی رہبرِ کوئے دلدار
شاملِ برہمن و زاہد و ترسا ہم ہیں

شورِ ناقوس و اذاں کی نہیں ہم کو برداشت
اس سے جویائے رہِ شہرِ خموشاں ہم ہیں

ضبطِ ناموسِ محبت سے رکھا ہے اے یار
گر ہو گریہ کی اجازت ہمیں طوفاں ہم ہیں

دیر و کعبہ میں پھرے شیخ و برہمن سے ملے
دربدر یار ترے جلوے کے جویاں ہم ہیں

عشقِ عارض میں تشفی ہے سحر کو خورشید
شام سے محوِ تلاشِ مہِ تاباں ہم ہیں

ہم کو صنعت سے ہوُا قدرتِ صانع کا خیال
اسی باعث سے فقط طالبِ خوباں ہم ہیں

سر گرا اپنا دمِ قتل قدم پر اس کے
تا ابد خنجرِ برّاں کے ثنا خواں ہم ہیں

عیب پینے کا نہیں ہم کو خطر ہی واعظ
عاشقِ دیدہ ہیں مشتاقِ حسیناں ہم ہیں

عاشقانہ غزل اک اور بھی لکھو بہرامؔ
آپ کی سحر بیانی کے ثنا خواں ہم ہیں

محوِ نظارۂ رخسارِ حسیناں ہم ہیں
بستۂ سلسلۂ گیسوئے پیچاں ہم ہیں
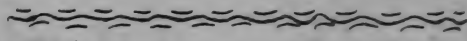
سنبلِ ترکی نہ عنبر کی ہوس ہی ہم کو
نکہتِ زلفِ پریشاں سے پریشاں ہم ہیں

زخمِ خنداں کا کہاں شکر ادا ہو قاتل
خندہ زن تا بہ ابد ای گُلِ خنداں ہم ہیں

جوشِ وحشت میں تجھے کرتے ہیں ہر جا بدنام
سچ ہی ای یار کہ مستوجبِ زنداں ہم ہیں

عشقِ خوباں میں رہے یادِ خدا سے غافل
لایقِ نفرتِ ہر گبر و مسلماں ہم ہیں

ضبطِ گریہ نہ ہوُا بزم میں اس کی افسوس
تا ابد ایسی خجالت ہی کہ گریاں ہم ہیں

شعلہ رویوں کی محبت کا نتیجہ دیکھا
معدنِ نالہ و آہِ شرر افشاں ہم ہیں

سر میں ہی زلف کا سودا تو جگر ہی صد چاک
دے جو برباد سب اپنا سر و ساماں ہم ہیں

آبِ رحمت جو نہیں اشکِ ندامت ہی سہی
یہ تمنّا ہی شب و روز جو گریاں ہم ہیں

قدر خوباں نے ہماری نہیں سمجھی ای وائے
با وفا محوِ رضا بندۂ فرماں ہم ہیں

کوئے دلدار نہیں ہی تو تجسس ہی سہی
اس سے بس عازمِ صحرا و بیاباں ہم ہیں

مہر و مہ کو جو نہ دیکھیں تو کریں کیا بہرامؔ
ہم ہیں معذور کہ محوِ رخِ جاناں ہم ہیں

دنیا میں عبادت کو تری آئے ہوئے ہیں
پر حسنِ بتاں دیکھ کے گھبرائے ہوئے ہیں

افسوس عبادت نہ تری ہو سکی ہم سے
گردن نہیں اٹھتی ہی کہ شرمائے ہوئے ہیں

الزام نہیں طور جو سرمہ ہوُا جل کر
موسیٰ بھی تجلّی سے تو شرمائے ہوئے ہیں

میں برہمن و شیخ کی تکرار سے سمجھا ‏ پایا نہیں اس یار کو جھنجھلائے ہوئے ہیں
کعبے سے نہ رغبت ہمیں نے دیر کی خواہش ‏ ہم خانۂ دل میں جو اسے پائے ہوئے ہیں
ہے کون سی جا ہو جو ترے جلوے سے خالی ‏ مضمون ہم اب دل میں یہی لائے ہوئے ہیں
ذلت کے خریدار ہوئے حرص کے بندے ‏ حاجت کے لیے ہاتھ جو پھیلائے ہوئے ہیں
جس قوم میں دیکھا تو تجسس ترا پایا ‏ معبد ترے ہر قوم میں ٹھہرائے ہوئے ہیں
بہرام غزل اور بھی اک ان کو سنا دے ‏ مشتاق تری بزم میں سب آئے ہوئے ہیں

کیا غارتِ ایمان یہ بت آئے ہوئے ہیں ‏ رخسار پہ گیسو کو جو پھیلائے ہوئے ہیں
یہ خوب تلطف ہے شبِ وصل میں ان کا ‏ کھلتا نہیں منھ آپ بھی شرمائے ہوئے ہیں
ممکن نہیں ٹھہرے کسی پہلو پہ دل ان کا ‏ جو غمزۂ دلدار کے تڑپائے ہوئے ہیں
کہتے ہیں اگر بزم میں جاؤں کبھی ان کی ‏ کیوں آئے ہم اس وقت تو جھنجھلائے ہوئے ہیں
جب ہاتھ لیے کھینچ تو پھر کس کا خطر ہے ‏ ہم پانو کو اب شوق سے پھیلائے ہوئے ہیں
ہے قید جو پھندوں میں تری زلف کے عالم ‏ آزاد ہیں اس قید میں جو آئے ہوئے ہیں
آئے تو مرے پاس عجب حال ہے لیکن ‏ بیٹھے ہیں جو اک دم کو تو گھبرائے ہوئے ہیں
للّٰہ زیادہ نہ ستا یار تو ہم کو ‏ ہم دکھ ترے ہاتھوں سے بہت پائے ہوئے ہیں
ظاہر ہیں مرے دل پہ مہ و مہر کے اسرار ‏ عکسِ رخِ دلدار کے چمکائے ہوئے ہیں
محوِ رخِ دلدار ہوئے، نور کو بہرام ‏ قبلہ ہم اسی واسطے ٹھہرائے ہوئے ہیں

جلوۂ نورِ خدا ہے روئے پُر انوار میں ‏ قدرتِ حق دیکھتا ہوں میں جمالِ یار میں
بیخودی موسیٰ کو ہے گر طور سرمہ ہو گیا ‏ ہوش پھر قایم رہیں کس کے ترے دیدار میں
قتل جس کو کر دیا وہ زندۂ جاوید ہے ‏ آبِ حیواں کا اثر ہے یار کی تلوار میں

مرحبا محویتِ منصور پر ہی ہم کو رشک | تھی انا الحق کی صدا بھی بعد مردن دار میں
ہی حلب میں شہرۂ روئے مصفائے صنم | شہرتِ گیسوئے عنبر بو ہوئی تاتار میں
بعد مردن چاہیے میرے کفن میں بوئے مشک | مر گیا ہوں الفتِ گیسوئے عنبر بار میں
نجد سے مطلب مجھ کو بستیوں سے کام کچھ | رہنے والا ہوں کسی کے سایۂ دیوار میں
یار کہتا ہی کہ میں بیتاب سن کر ہو گیا | کس غضب کا درد ہی بہرام کے اشعار میں

یار کی کب جلوہ فرمائی نہیں | پر تجھے بہرام بینائی نہیں
گر نہ ہو خلوت میسر یار سے | تو تصور اور تنہائی نہیں
مسجدِ خالی پسند آئے نہ کیوں | شیخ صورت کا تماشائی نہیں
صنعتِ صانع پہ ہی اپنی نگاہ | حسن خوباں کا تمنائی نہیں
ہو جسے سودا نہ زلفِ یار کا | وہ مرے نزدیک سودائی نہیں
جاتے ہیں مسجد سے بتخانے کو ہم | یاں کوئی صورت نظر آئی نہیں
زہد و تقویٰ کیا برا تھا ساقیا | پر طبیعت اس طرف آئی نہیں
جذبِ دل سے کام لیتا کوہکن | کارکن میں کارفرمائی نہیں
کیوں نہ چپ ہوں نغمہ پردازِ چمن | نالۂ دل نغمہ پیرائی نہیں
پردہ دار و رازدارِ عشق ہوں | میں کبھی خواہانِ رسوائی نہیں
بعد مردن کیا تمیزِ زشت و خوب | کچھ وہاں خانی و مرزائی نہیں

اور لکھتا ہوں غزل بہرام میں
شاعری ہی خامہ فرسائی نہیں

کس حسین کو لاف یکتائی نہیں | کون بت محوِ خود آرائی نہیں
شب ہوا تھا ماہ ان کے روبرو | صبح کو صورت نظر آئی نہیں

کیا اسے قدر ضیاء و نور ہو جو رخِ جاناں کا شیدائی نہیں
ای خود آرائو خدا کا ڈر کرو قتل عالم ہی خود آرائی نہیں
کیا پزیرائی کسی کی عرض کی کب انھیں منظورِ خودرائی نہیں
ہم تو بیٹھے ہیں درِ دلدار پر حاجیو! یاں دشت پیمائی نہیں
سرو سے کیا خوش قدوں کی نسبتیں اُس میں وہ اندازِ رعنائی نہیں
ہر طرف ہی اس کے جلوے کا ظہور کون کہتا ہی وہ ہرجائی نہیں
بوسۂ شیرینیٔ لب کا جواب کہتے ہیں دکّانِ حلوائی نہیں
ہم سے مستوں کا گزارا کیا وہاں مسجدوں میں بادہ پیمائی نہیں
حسنِ طفلاں کے لیے دیوانہ ہوں مطلبی ہوں میں تو سودائی نہیں
ذکر پر میرے تجاہل سے کہا ہم سے ان سے کچھ شناسائی نہیں
طعنۂ اغیار حرفِ تلخِ یار اور کیا ہی گر یہ رسوائی نہیں
کب خیالِ گیسوئے شب گوں نہ تھا کب مرے سر پر بلا آئی نہیں
دیکھیے بہرام کا کیا حال ہو ہم نے کچھ اس کی خبر پائی نہیں
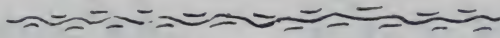
ہم جو نظارۂ رخسارِ صنم کرتے ہیں دم بدم سورۂ اخلاص کو دم کرتے ہیں
جب وہ مقتل میں کبھی تیغ علم کرتے ہیں گردنیں سب صفِ عشاق میں خم کرتے ہیں
ہم پہ وہ سب سے زیادہ جو ستم کرتے ہیں دیتے ہیں ہم کو فضیلت یہ کرم کرتے ہیں
روئے تابانِ صنم کی ہی پرستش منظور نور کو قبلہ اسی واسطے ہم کرتے ہیں
سجدۂ ابروئے جاناں سے ملی یہ عظمت گردنیں سب مری تسلیم کو خم کرتے ہیں
حشر پر رکھتے ہیں وصفِ قد و قامت موقوف لکھتے ہیں وصفِ کمر سیرِ عدم کرتے ہیں
فخر ہی دل پہ مرے داغ دیے خوباں نے سیم کو سکۂ شاہاں سے درم کرتے ہیں

چشمِ مخمور سے اس کی جو ہوئے ہیں سرشار — وہ کہاں آرزوئے ساغرِ جم کرتے ہیں

بزمِ مستاں میں نئی ہم نے تواضع دیکھی — جام سر کاٹتے ہیں یا شیشے کو خم کرتے ہیں

آرزومندِ شہادت ہیں ازل سے قاتل — ہم جریانِ خواہشِ شمشیرِ دودم کرتے ہیں

وصفِ چشمِ صنمِ مست میں ہم ہیں مصروف — شاخِ نرگس پہ تحریر قلم کرتے ہیں

نور سے کیوں نہ ہو معمور ہمارا سینہ — ہم مضامینِ رخِ یار رقم کرتے ہیں

دل ہی منزل گہِ جاناں بہ رہِ نادانی — شیخ و ترسا سفرِ دیر و حرم کرتے ہیں

تیری وحشت کی شکایت ہی جہاں میں اے دل — خوبرو آہوئے وحشی ہیں یہ رم کرتے ہیں

کفرِ نعمت ہی جو دیتے ہیں یہ خوباں دشنام — حق نے بخشا لبِ شیریں اسے سم کرتے ہیں

ہی تمنا ترے دیدار کی محشر میں ہمیں — جو ہیں نافہم تمنائے ارم کرتے ہیں

حرز و تسخیر و عمل کی نہیں حاجت ہم کو — ہم فقط دل پہ ترے نام کو دم کرتے ہیں

جو ہوئے سجدۂ ابروئے صنم میں بیہوش — وہ کہاں سجدۂ محرابِ حرم کرتے ہیں

ہم کو خاکِ درِ دلدار ہی کافی بہرام — ترک سب حوصلۂ جاہ و حشم کرتے ہیں

شغل جز یادِ بتاں کچھ دوسرا تجھ کو نہیں — خیر ہی بہرام کیوں خوفِ خدا تجھ کو نہیں

ہی بقائے حسن تجھ کو تو وہ شاہِ حسن ہی — ابتدا تیری نہیں ہی انتہا تجھ کو نہیں

جو ہوا تیرا وہ ہی مقبول تیرا بے گماں — کچھ لحاظِ وضعِ رند و پارسا تجھ کو نہیں

فعل تیرا عینِ حکمت حکم تیرا لازوال — صانعِ یکتا ہی تو سہو و خطا تجھ کو نہیں

تو ہی وہ محبوبِ یکتا تیری یکتائی ثبوت — کون ہی عالم میں جو کرتا ثنا تجھ کو نہیں

یاد تیری ہر زباں پر وصف ہی ہر بزم میں — کون معبد ہی کہ واں سجدہ ادا تجھ کو نہیں

حسن تیرا جو ازل میں تھا وہ قایم تا ابد — سب ہیں فانی تو ہی باقی ہی فنا تجھ کو نہیں

نور تیرا شش جہت میں جلوہ گر آفاق میں — احتیاجِ جلوۂ نور و ضیا تجھ کو نہیں

اک غزل کی اور بھی بہرام قدرت ہی تجھے
احتیاجِ فکرِ مضمونِ رسا تجھ کو نہیں

حیف قدرِ عاشقانِ باوفا تجھ کو نہیں
کچھ لحاظِ وضعِ عاشق آشنا تجھ کو نہیں

کیا فقط چین وختن عالم پریشاں سربسر
شغل جز آرائشِ زلفِ رسا تجھ کو نہیں

دلربائی میں ہی پر فن اور دلداری نہیں
وصف دلداری بلا ای دلربا تجھ کو نہیں

تیرے نقشِ پا کا سجدہ کوچۂ اغیار میں
کرتے ہیں پھر احتیاطِ نقشِ پا تجھ کو نہیں

گر تصور ابروئے پر خم کا سجدے میں نہ ہو
دیر و کعبہ بھی ہو تو سجدہ ادا تجھ کو نہیں

ہاتھ سے ہی قتل عالم پانو سے بسمل ہی خلق
اطلاعِ معجزِ رنگِ حنا تجھ کو نہیں

بعد مردن بھی ہوئی برباد خاک اپنی تمام
کچھ خیال ای شہسوارِ بادپا تجھ کو نہیں

نام پر بوسے کے اکثر کھینچتا ہی تیغ یار
اور کہتا ہی کہ چپ ہو کیا حیا تجھ کو نہیں

آفریں بہرام تو نے خوب دی دل کو جلا
مثل آئینہ تمنائے صفا تجھ کو نہیں

نہ مشرک ہیں نہ کافر ہیں پر اک تقصیر رکھتے ہیں
کہ ہم دل میں تصور سے تری تصویر رکھتے ہیں

نہ شوقِ بت نہ ذوقِ جلوۂ تصویر رکھتے ہیں
مگر نظارۂ رخسار پر تنویر رکھتے ہیں

تصور تا نہ جائے دلربا کے قد و قامت کا
قد و قامت کو زاہد شاملِ تکبیر رکھتے ہیں

نہ دیکھیں مہرو مہ کو کیا کریں لاچار ہیں زاہد
ازل سے عشق روئے یار پر تنویر رکھتے ہیں

تمہارے ابرو و مژگاں کے جو کشتے ہیں عالم میں
وہ دل سے آرزوئے ناوک و شمشیر رکھتے ہیں

جو محوِ حسن ہیں عاشق وہ ہیں خاموش دیوانے
جو گویا ہیں تمہارے وصف کی تقریر رکھتے ہیں

تمہارے عارضِ گل رنگ کی گرمی کی شہرت سے
چمن میں ہاتھ میں گلچیں بھی آتشگیر رکھتے ہیں

کشش سے عشق کی لا دیں گے تم کو کھینچ کر دل میں
کہ عاشق جذبِ دل سے آخرش تسخیر رکھتے ہیں

وہ کہتے ہیں کہ تو ہی سب سے پہلے قتل کے قابل
میں ہوں ممنونِ احساں وہ مری توقیر رکھتے ہیں

ازل سے صفا حسن و عشق میں نسبت برابر ہی — اگر واں زلف ہی یاں پانوٗ میں زنجیر رکھتے ہیں
نہ واں کچھ عرضِ مطلب ہی نہ کچھ تحریر خط جاری — فقط اک خطِ پیشانی کی ہم تحریر رکھتے ہیں
بتوں کو گیسوانِ عنبریں کیوں بخشے خالق نے — یہ کافر پیچ و خم سے دامِ عالمگیر رکھتے ہیں
لکھو بہرام اک رنگیں غزل اب اور بھی اس میں — کہ شاعر آفریں سے آپ کی توقیر رکھتے ہیں

ہم آہِ پُر شرر یا نالۂ شب گیر رکھتے ہیں — مگر افسوس اتنا ہی کہ بے تاثیر رکھتے ہیں
نہیں خم اپنی گردن بے سبب نخچیر رکھتے ہیں — وہ اپنے پنجۂ نازک میں کیا شمشیر رکھتے ہیں
کیے غربال سینے اور دل صدچاک خوباں نے — غضب مژگان و ابرو کے کمان و تیر رکھتے ہیں
ہلانا بھی زباں کا محفلِ جاناں میں ہی مشکل — کہ وہ قطعِ زبانِ شمع کو گل گیر رکھتے ہیں
بتوں کا قیدیٔ زلفِ مسلسل اک زمانہ ہی — یہ کافر دامِ گیسو سے بلا زنجیر رکھتے ہیں
کھنچا جاتا ہی دل ان کی محبت میں جو عالم کا — حسینانِ ستمگر بھی عجب تاثیر رکھتے ہیں
کبھی کہتے ہیں دیوانہ کبھی لکھتے ہیں سودائی — یہی تقریر کرتے ہیں یہی تحریر رکھتے ہیں
جو دیکھا مجھ کو بس لاغر تو اے بہرام فرمایا — کہ ہم بھی آج کل اک خارِ دامنگیر رکھتے ہیں

بیت الصنم نہیں یہ حریمِ حرم نہیں — دل بارگاہِ عرشِ معلّٰی سے کم نہیں
تزویرِ غیر ہم کو نکالے یہ غم نہیں — بیٹھے ہیں کوئے یار میں باغِ ارم نہیں
ہستی کو چھوڑ کر جو ہوئے محوِ ذات ہم — پایا تجھی کو یار جو ڈھونڈا تو ہم نہیں
آئے تو بے خبر رہے ہستی سے بے خبر — کچھ ہم کو امتیازِ وجود و عدم نہیں
سر تا بپا ہی نور ہم اس بُت کے محو ہیں — آذر کے بُت کدے میں ہمارا صنم نہیں
جوشِ صفائے دل سے آشکارا ہی عکسِ رُخ — یہ عاشقوں کے دل ہیں صنم جامِ جم نہیں
جن جن کے خاص ہوتے ہیں مقتولِ تیغِ ناز — ان کی جفا بھی لاکھ عنایت سے کم نہیں

جنبش سے اس کی قتل دو عالم ہو کیا بعید
ابروئے یار ہی کوئی تیغِ دو دم نہیں

خالی مکاں ہی کعبہ کریں کس کو سجدہ ہم
بیت الحرام سنتے ہیں بیت الصنم نہیں

جلوہ ترا جدھر ہو کریں سجدہ ہم ادھر
مقصود اپنا سجدۂ دیر و حرم نہیں

نالوں پہ میرے وجد ہوا اہلِ درد کو
دل کی صدا ہی یار یہ کچھ زیر و بم نہیں

جو پا ہی خلق نقشِ کفِ پائے یار کی
اک سجدہ گاہِ عام ہی نقشِ قدم نہیں

پایا نہ کوئی فرق کہ خالی شرار سے
سنگِ سیاہ کعبہ و سنگِ صنم نہیں

بہرام اس زمیں میں غزل ایک اور بھی
رکھا ابھی تو ہاتھ سے تم نے قلم نہیں
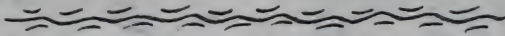
تیغِ ہلال و خنجرِ طاقِ حرم نہیں
صنعِ قضا ہی یار کی ابرو کا خم نہیں

کس کا ہی سر کہ شوقِ شہادت میں خم نہیں
یہ رحمتِ عظیم ہی ان کا ستم نہیں

وارستگی کہاں تری زلفِ دراز سے
پھندے ہیں دل کے واسطے یہ پیچ و خم نہیں

ہی میرے مدعا سے جو انکار دل نشیں
ہاں کی جگہ بھی کہتے ہیں وہ دمبدم نہیں

فیضِ مغاں سے رازِ دو عالم ہی منکشف
ساغر کی ہی طلب ہوسِ جامِ جم نہیں

اللہ رے صنم تری شانِ جلالِ حسن
لرزاں ترے حضور میں کس کا قدم نہیں

جو محو ہو چکے رخِ پر نورِ یار کے
ان کو تلاشِ بت نہیں شوقِ حرم نہیں

تابِ نظارہ مجھ کو نہیں اور انھیں حجاب
ان کا وصال بھی مجھے ہجراں سے کم نہیں

دیکھا کیا ہوں صنعتِ صانع کے شوق میں
مجھ کو بتوں کا عشق خدا کی قسم نہیں

کیوں کھا رہے ہیں گیسوئے بلدار پیچ و تاب
میں آپ کہہ رہا ہوں کہ افعی میں سم نہیں

رفتارِ فتنہ زا تری اعجازِ حسن ہی
آتا نظر کسی کو نشانِ قدم نہیں

بوئے شمیمِ زلف تری فیض عام ہی
اس پر بھی کہتے ہو مجھے اہلِ کرم نہیں

کافر ہو سمجھے فرق جو لطف و عتاب میں
دشنام بھی تری مجھے بوسے سے کم نہیں

بہرام عشق عارضِ تابانِ یار ہیں — کب آہ شعلہ بار مری دم بدم نہیں

نہ دولت نہ حشمت سوا چاہتا ہوں — میں اپنے خدا کی رضا چاہتا ہوں

تری راہ میں سر دیا چاہتا ہوں — ادا حقِ الفت کیا چاہتا ہوں

خدا سے میں عفو خطا چاہتا ہوں — کہ اک بُت کا بندہ ہوا چاہتا ہوں

نہیں جام جم، آئینے کی ہوس ہے — فقط اپنے دل کی صفا چاہتا ہوں

نہ محراب مسجد نہ کعبے کا خواہاں — ترا سجدۂ نقشِ پا چاہتا ہوں

وفورِ عبادت سے مطلب نہیں ہے — عبادت تری بے ریا چاہتا ہوں

اطاعت سے تیری نہیں اختلاف — میں تسلیم و صبر و رضا چاہتا ہوں

مدد دی جو شوقِ شہادت نے قاتل — تو بازو کا بوسہ لیا چاہتا ہوں

تبدل ردیفِ رواں کا ہے بہرام — غزل دوسری اک لکھا چاہتا ہوں

ظہور اس کا اب جا بجا دیکھتا ہوں — میں ہر بُت میں شانِ خدا دیکھتا ہوں

ہوں نیرنگِ عالم کی نظارگی میں — تماشائے قدر و قضا دیکھتا ہوں

نہیں حسنِ ظاہر سے مطلب مجھے ہے — خدا جانے خوباں میں کیا دیکھتا ہوں

جو کہتا ہوں کب انتظارِ جفا ہو — تو کہتا ہے تیری وفا دیکھتا ہوں

تری زلفِ مشکیں کو عنبر سے نسبت — جو دیتا ہوں آخر خطا دیکھتا ہوں

نہ آیا وہ قاتل نہ آئی اجل بھی — میں فرقت میں راہِ قضا دیکھتا ہوں

نظر کر کے بہرام صنعت پہ حق کی — بتوں کو بصدق و صفا دیکھتا ہوں

ہے آرزوئے جفا عاشقانِ مضطر کو — ستم گری کا سلیقہ ہے اس ستم گر کو

رکھا ہی باندھ کے دیوانگانِ ابتر کو
جزائے خیر ملے کاکلِ معنبر کو

میں دیکھتا نہیں کچھ عارضِ منور کو
نظر میں رکھتا ہوں نورِ خدا کے مظہر کو

وفورِ شوقِ شہادت میں بارہا قاتل
گلے سے ہم نے لگایا ہی تیرے خنجر کو

بری ہیں کفر کے اسلام کے تنازع سے
دعائیں دیتے ہیں پیرِ مغاں کے ساغر کو

جو محوِ عارضِ تاباں ہیں کیا سمجھتے ہیں
طپش کو برق کی یا آفتابِ محشر کو

تجلیٔ رخِ روشن نے کردیا بے نور
چراغِ طور کو اور شمعِ مہرِ خاور کو

غرورِ حسن سے پیشِ خدا نہیں جھکتے
زوالِ حسن سزا ہی بتانِ خود سر کو

سوالِ بوسہ پہ لازم نہیں ہی بخل تمھیں
خدا نے دوست رکھا ہی بنو مخیر کو

کیے ہیں قید دلِ وحشیانِ آوارہ
بلا کے پیچ ملے گیسوئے معنبر کو

تسلیٔ دلِ صدچاک اس سے ہوتی ہی
عزیز اس لیے رکھتا ہوں مشکِ عنبر کو

کھلیں گے عارضِ گلرنگ یار کے جس دم
رہے گا رتبہ نہ کچھ لالہ ہائے احمر کو

کیا ہی سجدۂ قالوا بلیٰ نے مجھ کو خراب
ہوا ہی حسن کا سودا وہاں مرے سر کو

بنا معلمِ طفلانِ سادہ رو زاہد
مرا اسلام ہی اب زاہدِ معمر کو

زمینِ کوچۂ جاناں پہ ہی جنھوں کی نشست
سمجھتے خاک ہیں کم خواب اور مشجر کو

شمیمِ یاسمن و گل سے کیا تسلی ہو
میں سونگھتا ہوں ترے جامۂ معطر کو

ہماری زردیٔ رخ مائلِ سفیدی ہی
کہ چاہتے ہیں ہم اک دلربا سمن بر کو

ہی پا کو جادۂ کوئے صنم اگر زنجیر
کیا ہی طوقِ گلو ہم نے حلقۂ در کو

جدھر ہو روئے منور وہی مرا قبلہ
کہ سجدہ کرتا ہوں اس کے رخِ منور کو

جسے حضوریٔ جاناں ہی کیا کرے زاہد
تمھاری مسجد و محراب اور منبر کو

انھوں کے روئے مصفا سے ہی اسے نسبت
عزیز اس لیے رکھتے ہیں سیم بر زر کو

نیاز مند تمھارا ہی شاعرِ بہرام
وگرنہ ہوتا ہی دعویٰ ہر اک سخن ور کو

رُخ روشن ہی ترا اور بہ پہلو گیسو ہو ضیا رُخ سے تو دے نکہتِ دلجو گیسو
پھنس گیا روزِ ازل سے یہ مرا دل اس میں تو نے کھولے تھے جو صیادِ جفا جو گیسو
نورِ عرفاں ہی اگر ظلمتِ دل ہو موقوف چمکیں عارض جو اٹھائے بتِ دلجو گیسو
ہو گیا ترک پہ کیا اہلِ حبش کا قبضہ غالب آئے رُخِ روشن پہ بہر سو گیسو
ہی یقیں مجھ کو کہ ظلمات میں ہی آبِ حیات دیکھ تو روئے منور پہ بہر سو گیسو
آرزو ہی کہ ترا روئے مصفا دیکھوں نہیں منظور مجھے کافرِ بدخو گیسو
نورِ زردشت ہی بہرام نظر میں میری نکلے کیونکر کبھی منہ سے مرے گیسو گیسو

پاس رکھتا ہی ترا عارضِ انور گیسو کیوں نہ ہو مطلعِ خورشید منور گیسو
اس کی مرضی جسے چاہیے وہ چڑھائے سر پر کون کہتا ہی کہ ہی یار کا خود سر گیسو
روشنیٔ رخِ روشن میں جو لیتا ہی یہ دل ہو گیا یار ترا دزدِ دلاور گیسو
آبِ حیواں کا بہانہ تھا اسے ظاہر میں ڈھونڈتا تھا تر ظلمت میں سکندر گیسو
جا قریبِ رُخِ روشن جو اسے دی سر پر شکر ہیں اس کے گرا اس کے قدم پر گیسو
دامِ زنجیر و بلا سلسلہ ہی گیسو کا دلِ عاشق کو ہوا افعی و اژدر گیسو
عشق میں اس کے ہوا ہائے دل اپنا صد چاک پھر بھی آشفتہ ہی برہم ہی مکدر گیسو
افعی و مار کی تسخیر تو ہی افسوں سے نہیں ہوتا ہی کسی طرح مسخر گیسو
کچھ سبب کارو بلا سے نفرت نہ کریں اہلِ صفا دیکھ لیں روئے مصفا کے برابر گیسو
تیری نکہت کے ہیں مشتاق سبھی چین و ختن دھوم آفاق میں ہی تیری سراسر گیسو
روشنی پھر نظر آئے نہ کہیں اے بہرام برق وش یار مرا چھوڑے جو رخ پر گیسو

پہنچے کوئی حسین نہ تری یار شان کو تجھ پر نثار کرتے ہیں معشوق جان کو

وصلت ہوئی نہ یار کی اس دور میں نصیب ۔۔۔ کیا تفرقہ پسند ہوا آسمان کو
اپنی زبان قابو میں رکھنا پسند ہی ۔۔۔ باور نہیں تو شمع کی دیکھو زبان کو
کیا ضد ہوئی ہی اس بتِ کافر کو مجھ سے آہ ۔۔۔ پاوے نشاں مرا تو مٹا دے نشان کو
رہتا ہی نام عدل سے بہرام تا ابد
کرتے ہیں یاد عدل سے نوشیروان کو

منع درباں نے کیا مجھ ناتوانِ زار کو ۔۔۔ میں نے دیکھا کیسی حسرت سے درو دیوار کو
طایرِ دل ہی مرا پابندِ طفلِ برہمن ۔۔۔ میں سمجھتا ہوں سلاسل رشتۂ زنار کو
روز و شب جاری ہی جوئے خوں جو چشم زار سے ۔۔۔ بے حقیقت جانتا ہوں ابرِ دریا بار کو
خوں بہا کر سرخ رو رکھا ہی مجھ کو یار سے ۔۔۔ آفریں صد آفریں اس دیدۂ خوں بار کو
روشنی روئے روشن شش جہت میں ہی مدام ۔۔۔ ہائے پھر ترسا کیے ہم یار کے دیدار کو
گلرخانِ سنگ دل کو رحم آتا ہی نہیں ۔۔۔ دل میں دیتا ہوں جگہ خوبانِ گلرخسار کو
زاہدا کفرِ خفی تیرا عیاں کر دوں ابھی ۔۔۔ سبحہ میں رکھتا ہی کافر رشتۂ زنار کو
ان بتانِ خود نما سے کیا غرض بہرام کو ۔۔۔ یاد کرتا ہی وہ اپنے داورِ دادار کو
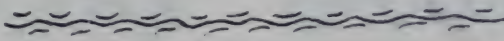
ہی خیالِ رُخِ انور میں ستارا آنسو ۔۔۔ غیرتِ عقدِ ثریا ہی ہمارا آنسو
بحرِ ہستی میں ہی یہ زندگی قطرے کی مثال ۔۔۔ کرتے ہیں جنبشِ مژگاں سے اشارا آنسو
دلِ سنگین بتاں پر نہیں ہوتا ہی اثر ۔۔۔ نرم کرتے ہیں مرے آہن و خارا آنسو
عشقِ گیسوئے صنم کی ہی یہ دیکھو تاثیر ۔۔۔ گرتے ہی ہوتے ہیں سب عنبر سارا آنسو
پانو پھیلانے نہ دے اشک کو باہر بہرام ۔۔۔ ہی یہ بہتر کریں مژگاں میں گزارا آنسو

میں عزیز اس واسطے رکھتا ہوں چشم زار کو ۔۔۔ بار ہا نادم کیا ہی ابرِ دریا بار کو

ہے نہ پاس ننگ و نام اور ہے نہ ایماں کا لحاظ
چاہتا ہوں اب تو اک کافرِ عیار کو

خوں بہایا رات دن ان گل رخوں کے عشق میں
سرخروئی جب ہوئی ہے دیدۂ خوں بار کو

پانو رکھتے ہیں بچا کر آشنا نا آشنا
راہرو کیا خار سمجھے میرے جسمِ زار کو

دل نکالا تو نے پہلو سے جگہ خالی نہ چھوڑ
چھوڑ قاتل دل کی جا گہ خنجرِ خونخوار کو

گیسوئے مشکیں کی نکہت سے معطر ہے دماغ
گرد سمجھا ہوں میں مشک و نافۂ تاتار کو

لکھو بہرامؔ اس زمیں میں اور اک رنگیں غزل
کھول پھر اے بلبلِ رنگیں نوا منقار کو

ہے دل کو دیدِ قامتِ دلبر کی آرزو
کرتا ہے آہِ فتنۂ محشر کی آرزو

خورشید کی نہ ماہ نہ اختر کی آرزو
ہے مجھ کو یار عارضِ انور کی آرزو

آبِ حیات پر ہے شرف اس کی آب کو
دل سے جہاں کو ہے ترے خنجر کی آرزو

تیری نگاہِ مست سے ہم مست ہو چکے
ہم کیا کریں گے شیشہ و ساغر کی آرزو

عشقِ صفائے رخ میں تسلی کی تھی مراد
نکلی نہ آئینے سے سکندر کی آرزو

روزِ ازل سے حسن کو ہے عشق کی تلاش
اس واسطے ہے یار کو منظر کی آرزو

ہم سے شبِ وصال میں برہم رہا وہ شوخ
نکلی نہ ایک بھی دلِ مضطر کی آرزو

بہرامؔ ہم کو خاکِ درِ یار چاہیے
کمخواب کی ہمیں نہ مشجر کی آرزو

لالہ رو کہنا نہ تھا خوبانِ گل اندام کو
ہے سزائے داغ لازم اس دلِ ناکام کو

روئے تابانِ صنم کے عشق میں دیکھا کیا
آفتابِ صبح کو میں یا چراغِ شام کو

نور ہے آتش کدے میں بتکدے میں شکلِ بت
صاف ویراں دیکھتا ہوں مسجدِ اسلام کو

عشق روئے یار میں پختہ ہو تو آئے نظر
جلوہ کب اس نے دکھایا بوالہوس کو خام کو

مجھ کو صورت کا تصور ہے نہ سجدے کی تلاش
یاد رکھتا ہوں فقط اے یار تیرے نام کو

بندہ پُر معصیت ہی پر تجھے بھولا نہیں بخش دے اے داورِ داور تو بہرامؔ کو

ہؤا ایسا گریباں پارہ پارہ ہی قلب بخیہ دوزاں پارہ پارہ
گریباں گُل رخاں کا چاک تجھ پر قبائے جامہ زیباں پارہ پارہ
نہیں اک تار پیراہن میں ثابت ہؤا سب سازو ساماں پارہ پارہ
تمھارے لعلِ خنداں سے ہؤا ہی لباسِ لالہ رویاں پارہ پارہ
دلِ صد چاک کا مضموں ہی بہرامؔ عجب کیسا ہو جو دیواں پارہ پارہ

تنہا نہیں اٹھائے ہیں جانِ حزیں سے ہاتھ اے بت ابھی اٹھائیں گے ایمان و دیں سے ہاتھ
کب آشنا ہوئے مرے مُہرِ نگیں سے ہاتھ ملتا رہا ہوں پائے بتانِ حسیں سے ہاتھ
دامن اٹھا لے یار کہ ایسا نہ ہو کہیں تیرے شہیدِ ناز نکالیں زمیں سے ہاتھ
توڑا قلم، ملے کفِ افسوس چپ رہا جب کھینچ سکے نہ یار کے نقاشِ چیں سے ہاتھ
اٹھتے نہیں سلام کو شاہوں کے سامنے خوگر ہیں کوئے یار کی خاکِ نشیں سے ہاتھ
ہی کیا صفائے حسن کہ عالم ہؤا ہی محو نکلے بتِ صبیح کے جب آستیں سے ہاتھ
سجدے کو نقشِ پائے صنم کب ہؤا نصیب کب آشنا ہیں پائے بتِ مہ جبیں سے ہاتھ
لکھتے ہیں عاشقانہ غزل ایک اور ہم بہرامؔ ہم اٹھائیں نہ ایسی زمیں سے ہاتھ

ہم کب اٹھائیں پائے بتِ مہ جبیں سے ہاتھ مختار ہو وہ قطع کرے تیغِ کیں سے ہاتھ
رکھتا ہوں بیخودی میں کفِ پائے یار پر ہٹتے ہیں کب مرے صنمِ خشمگیں سے ہاتھ
جب سے ہؤا ہی زلفِ معنبر کا یہ اسیر ہم نے اٹھا لیے دلِ اندوہگیں سے ہاتھ
ہی گلستاں میں یادِ صبیحانِ سادہ رو لبریز ہیں مرے جو گُلِ یاسمیں سے ہاتھ

ہاتھ آئے ایک بار تمنا یہ دل میں ہے
چھوٹیں نہ پھر یہ دامنِ یارِ حسیں سے ہاتھ

جب کچھ اثر نہیں ہے تو کھینچے ہیں ہار کر
اب نالہ ہائے پُر شرر و آتشیں سے ہاتھ

پروا نہیں ہے ہم نہ اٹھیں کوئے یار سے
پہلے اٹھائے بیٹھے ہیں دنیا و دیں سے ہاتھ

حسرت نہیں زمانے میں کچھ عزّ و جاہ کی
پر آشنا نہیں مرے نانِ جویں سے ہاتھ

بہرامؔ اک فصیح زمیں میں غزل کہو
اب تو اٹھاؤ بہرِ خدا اس زمیں سے ہاتھ

قاتل اٹھاؤں گا نہ میں تیرے قدم سے ہاتھ
گر قطع شوق سے مرے تیغِ ستم سے ہاتھ

زلفِ رسائے یار سے باندھے گئے ہیں آہ
آگاہ کچھ نہ تھے مرے اس پیچ و خم سے ہاتھ

رکھتا ہوں حلقۂ درِ جاناں کو ہاتھ میں
کب آشنا ہیں حلقۂ دیر و حرم سے ہاتھ

رضواں میں کوئے یار میں بیٹھا ہوں بے غرض
ہیں میں نے اٹھا لیے ترے باغِ ارم سے ہاتھ

مقتول ہیں جو لاکھ تو مجروح صد ہزار
پھر بھی نہیں جدا تری تیغِ ستم سے ہاتھ

پانوؤں کو بیخودی میں چھوا کر انھیں معاف
امیدوار ہیں ترے فضل و کرم سے ہاتھ

خوگر وفا کے ہم بھی ہیں روزِ ازل سے یار
تیری خوشی اٹھا نہ تو جور و ستم سے ہاتھ

قانع جو ہیں نہیں انھیں پروائے سیم و زر
وہ کھینچتے ہیں دامنِ اہلِ ہمم سے ہاتھ

ہم نے خودی کو آپ سے جب دور کر دیا
صاف اٹھ گئے ہمارے حدوث و قدم سے ہاتھ

پانوؤں پہ ہاتھ رکھنے کی تھی دل میں آرزو
اب ہار کر اٹھائے تمھاری قسم سے ہاتھ

بہرامؔ قافیہ کو بدل کر لکھو غزل
ہے کیا جو آج چھٹتے نہیں ہیں قلم سے ہاتھ

کیوں جا لگے نہ تھے گیسوئے عنبر شکن سے ہاتھ
نفرت گزیں ہیں مشکِ خطا و ختن سے ہاتھ

سر پیٹتا رہا غمِ فرقت میں عمر بھر
بہتر ہے گر رہیں مرے باہر کفن سے ہاتھ

زنجیر ڈال دو جو ہے شورِ جنوں کا خوف
کیوں باندھتے ہیں آپ ہمارے رسن سے ہاتھ

دیں ذلتیں بلا کے جو غیروں کی بزم میں — ہم نے اٹھا لیے ہیں تری انجمن سے ہاتھ
میں ہاتھ چاٹتا رہا یہہات عمر بھر — تھے چھو گئے کہیں لبِ شیریں دہن سے ہاتھ
بیتاب ہیں ٹھہرتے نہیں بزمِ یار میں — باندھے گئے ہیں آج ہمارے چلن سے ہاتھ
کیا جرمِ عشقِ گیسوئے پیچاں ہوا ثبوت — باندھے جو آج یار نے میرے رسن سے ہاتھ
ہر ایک گل جو پارۂ دل ہی نگاہ میں — ہم نے اٹھائے ہجر میں سیرِ چمن سے ہاتھ
شاہانِ دہر بھی نہیں کچھ یاں سے لے چلے — بہتر ہی ان کے گر رہیں باہر کفن سے ہاتھ
میں نے چھوئے ہیں عارضِ سیمیں تنانِ دہر — نفرت گزیں ہیں جب سے مرے برگِ سمن سے ہاتھ
تاثیر کیا کہوں خفقاں دل سے دور ہی — کل چھو گئے تھے جو مرے سیبِ ذقن سے ہاتھ
بہرام اب قلم کو رکھو لکھ چکے بہت — اٹھتے کہاں ہیں آپ کے شعر و سخن سے ہاتھ

حاجت میں بند چاہییں اہلِ صفا کے ہاتھ — قانع ہوا تو پھر نہیں اٹھتے گدا کے ہاتھ
نقاش کھینچے کیا بتِ رنگیں ادا کے ہاتھ — وہ کھینچتا ہی نقش یہ صنعِ خدا کے ہاتھ
تکیہ کیا خدا پہ نہ طوفانِ بحر میں — اس کی جزا میں چومتے ہیں ناخدا کے ہاتھ
بیعت ازل سے ہم کو جو پیرِ مغاں سے ہی — لیتے نہیں ہیں ہاتھ میں ہم پارسا کے ہاتھ
دستِ حنائی دیکھ کے عالم ہوا مطیع — یہ نقشِ حب ہی یا بتِ جادو ادا کے ہاتھ
اٹھتے نہیں ہیں جانبِ دامانِ یار حیف — خوگر ہوئے ازل سے جو صبر و رضا کے ہاتھ
نفرت سوال سے ہی یہاں تک کہ عمر بھر — ممنوں کبھی نہیں ہوئے اپنے دعا کے ہاتھ
اللہ رے تمکنِ اہلِ رضائے فقر — اٹھتے نہیں سوال کو اہلِ صفا کے ہاتھ
مقبولِ خاص سر کو جھکاتے ہیں قتل میں — ہیں باعثِ شرف تری تیغِ جفا کے ہاتھ
بہرام اس زمیں میں غزل اور بھی لکھو — جاوے گی یہ غزل بھی ہر اک آشنا کے ہاتھ

آئے ہیں کس کے ہاتھ میں کس بیوفا کے ہاتھ
مرہوں الٰہی کیسے ہوئے ہیں حنا کے ہاتھ

دامن پہ اس کے سر جو گرا بس یہ تھی مراد
نکلے جو آستیں سے بتِ پُر ضیا کے ہاتھ

پابوسیٔ بتاں کی ازل سے ہے آرزو
کعبے میں ہم کبھی نہ چھوئیں پارسا کے ہاتھ

اک دن چھوا تھا زلف کو اس کی سزا میں ہائے
قیدی ہیں تا ابد تری زلفِ دوتا کے ہاتھ

تقدیرِ آستیں پہ مجھے رشک کیوں نہ ہو
رکھتی ہے بر میں اس گلِ گلگوں قبا کے ہاتھ

ہوتے نہیں جدا یہ عجب اتفاق ہے
مشتاق ہاتھ کی ہے حنا یا حنا کے ہاتھ

عالم ہوا ہے قتل ٹھہرتے نہیں ابھی
ہیں کس غضب کے یار ترے کس بلا کے ہاتھ

شوخی و ناز سے یہ ٹھہرتے نہیں کبھی
بہزاد کیسے کھینچے بتِ فتنہ زا کے ہاتھ

ہر رعب حسنِ یار جو کرتے ہیں کوتہی
دامن ترا وگرنہ میں کھینچوں بڑھا کے ہاتھ

ہے دورِ جامِ فیض سے اس کے ہمیں نصیب
میں چومتا ہوں ساقیٔ عشرت فضا کے ہاتھ

پڑتے ہیں زخمِ دل پہ جو چلتے ہیں صاف صاف
ہنگامِ نغمہ مطربِ شیریں نوا کے ہاتھ

بہرام جو ہیں اہلِ توکل وہ ہیں عزیز
دینے کے واسطے ہیں ہزاروں خدا کے ہاتھ

عکسِ روئے یار سے تھی آب و تابِ آئینہ
میں غلط سمجھا تھا اس کو آفتابِ آئینہ

کب صفائے دل سے ہے کافی جوابِ آئینہ
ہو دلِ روشن سے ہمسر کیا ہے تابِ آئینہ

عکسِ روئے یار دل میں کچھ مرے تازہ نہیں
ہوں صفِ قالوا بلیٰ سے فیضیابِ آئینہ

ہے صفائے دل برابر تا ابد اس کو ثبات
آئینہ سازوں میں دیکھو انقلابِ آئینہ

نورِ عارض سے نہیں ہے مہر و مہ کا کچھ شمار
کیا صفائے عارضی سے ہو حسابِ آئینہ

ڈھونڈھتا پھرتا ہے عکسِ روئے پُر انوارِ دوست
ہو گیا گردش سے ثابت اضطرابِ آئینہ

ہووے جس دل میں ضیائے نورِ عرفاں کی جھلک
صاف وہ دل ہے جہاں میں انتخابِ آئینہ

ہے صفائے عارضِ شفافِ جاناں تا ابد
کیا ہوا قلعی سے ہے دو دن خضابِ آئینہ

ہیں صفائے عارضِ شفافِ خوباں کا ہوں محو | کب پسند آوے یہ مجھ کو پیچ و تابِ آئینہ
اک غزل تو اور بھی لکھتا ہوں اے بہرام میں | دل یہ کہتا ہے بنا دوں اک کتابِ آئینہ
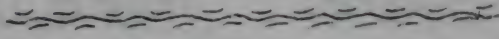
تاب لاوے تیرے رُخ کی کیا ہے تابِ آئینہ | کوئی تیرہ دل لکھے رُخ کو جوابِ آئینہ
ہے کفِ پائے مصفّا کو جو شہرہ شہسوار | کیا عجب اہلِ طلب لاویں رکابِ آئینہ
نوکِ مژگاں سے چھٹا آیا رُخِ تاباں ہیں دل | تھا کبابِ سیخ اب ہے یہ کبابِ آئینہ
تھا یہ جب تک اس کے ہاتھوں میں عجب تھی آب و تاب | اس نے رکھا ہو گیا زائل شبابِ آئینہ
الفتِ گیسو میں تھا ظلمت کا جو یا رات دل | عشقِ عارض ہے تو ہے یہ دل خرابِ آئینہ
پر توِ چینِ جبیں سے صاف روشن ہو گیا | رشکِ روئے یار سے ہے پیچ و تابِ آئینہ
خاک ملنا ہے سزائے ہمسریٔ روئے یار | ہو گیا ثابت یہ عزمِ ناصوابِ آئینہ
ہے خجالت اس کی ظاہر منہ پہ رکھتا ہے غلاف | رشکِ روئے صاف سے ہے یہ حجابِ آئینہ
رو برو رکھا رہوں یہ آرزو ہے بس مری | ہے رُخِ شفافِ جاناں سے خطابِ آئینہ
وقتِ آرائش جو ہو جاتا ہے تجھ سے رو برو | ناگوارا ہے مجھے یہ ارتکابِ آئینہ
ہیں ہوں تیرا مبتلا رکھتا ہے تو رخ پر نقاب | کوئی دیکھے یا رب بے روئے حجابِ آئینہ
اب بدلتا ہوں ردیف و قافیہ بہرام میں | اور لکھتا ہوں غزل اک در جوابِ آئینہ

رو برو تیرے جو ہر شام و سحر ہے آئینہ | اس سے بس منظورِ ہر اہلِ نظر ہے آئینہ
عکس دونوں عارضوں کے دو ہیں ٹکڑے چاند کے | اب تو گویا مظہرِ شق القمر ہے آئینہ
عکس لب سے اور عکسِ عارضِ گلرنگ سے | یا چمن یا غیرتِ گلبرگِ تر ہے آئینہ
عکسِ خال زیرِ ابرو سے ہیں قاتل کیا کہوں | عاشقوں کے واسطے تیغ و سپر ہے آئینہ
وہ لگی پانووں میں یہ رہتا ہے اس کے رو برو | قدر میں فایق حنا سے بیشتر ہے آئینہ

یہ پھرا ہر انجمن میں مجھ کو گردش دشت دشت
جستجو میں اس کی میرا ہم سفر ہے آئینہ

عکسِ مژگاں سے مجھے ڈر ہے شکستہ ہو نہ جائے
ہے تو حاضر باش پر زیرِ خطر ہے آئینہ

رنگ روئے آتشینِ یار کا اعجاز ہے
یا تو تھا آبِ مصفا پر شرر ہے آئینہ

کیا شکایت اس کی اپنی اپنی قسمت ہے ولا
اس کے نظارے سے ہر دم بہرہ ور ہے آئینہ

رات دن رہتا ہے شامل گلرخوں کی بزم میں
دیدۂ پر آب ہے پر با اثر ہے آئینہ

کیا صفائی حق نے بخشی ہے تنِ شفاف میں
ہوں میں حیراں عضو عضوِ سیمبر ہے آئینہ

محو ہوں بہرام میں اس کے صفائے حسن کا
نور سے جس کے دلِ اہلِ بصر ہے آئینہ

دل کو لگا ہے عشق جو زلفِ رسا کے ساتھ
ہر دم مقابلہ ہے مجھے اک بلا کے ساتھ

ہے گفتگو یہ نزع میں مجھ کو قضا کے ساتھ
اک دم ٹھہر کہ آتا ہے دلبر ادا کے ساتھ

ہے سوزِ ہجر کا جو مزا کب ہے وصل میں
رغبت ہے مجھ کو یار کی جور و جفا کے ساتھ

پیدا ہوئے کہ سامنے آیا پیامِ موت
تھی انتہا لگی ہوئی اس ابتدا کے ساتھ

خوباں کے جور و ظلم سے دل تنگ ہو گیا
اب دل لگاؤں گا میں کسی باوفا کے ساتھ

رندانِ مست کا مجھے مذہب ہوا پسند
الفت نہیں ہے مجھ کو کسی پارسا کے ساتھ

آتش کدے کا نور ہے پیشِ نظر مرے
بہرام دل لگا مرا نورِ خدا کے ساتھ

دل میں نے کہا آپ کا دیوانہ ہوا ہے
کہنے لگے ہنس کر ابے دیوانہ ہوا ہے

ہے دل کو مرے اس لبِ میگوں کا تصور
کعبہ تھا جو آگے سو وہ میخانہ ہوا ہے

اے آئینہ رو پڑتے ہی چہرے کا ترے عکس
حیراں ہوں کہ آئینہ پری خانہ ہوا ہے

ہے گردشِ چشمِ صنم اور بزم ہے سب مست
عالم میں جسے دیکھیے مستانہ ہوا ہے

کچھ حال کی اپنے بھی خبر ہے تجھے بہرام
وحشت کا تری خلق میں افسانہ ہوا ہے

ہو گیا ہوں محوِ عشقِ کافرِ گل فام سے
کفر سے رغبت ہوئی نفرت ہوئی اسلام سے

عمر بھر فرقت رہی ہی یارِ گل اندام سے
ایک شب بھی ہم نہ سوئے راحت و آرام سے

بے گنہ مطعوں نہ کر زاہد ہمیں بہرِ خدا
امن ہی سودائیوں کو شرع کے الزام سے

جب نہیں ناکام اس سے کہتا ہوں کہ ہو جایئے پاس
ہنس کے کہتا ہی "مجھے فرصت نہیں ہی کام سے"

جاں بلب ہوں عشق سے پر خواہشِ صحت نہیں
درد کی لذت نہیں حاصل مجھے آرام سے

شاہدانِ گل عذار و دلبرانِ شوخ چشم
پھر رہے تے دین سے ایماں سے ننگ و نام سے

ہی تجلی اس کے نورِ عارضِ پر نور کی
بھاگتا ہی سایہ کوسوں اس کے زیرِ بام سے

نسترن برگِ سمن درِّ عدن لعلِ یمن
منفعل و ش و لب دندانِ سیم اندام سے

شیخ محرومِ لذائذ منکرِ خوباں ہوا
کیا اسے حظ شیشہ و مینا و دورِ جام سے

عاشقِ صادق تھا اس کی کچھ نہ سمجھی تو نے قدر
بیوفائی تو نے کافر کی عبث بہرام سے

ہی ذوقِ دیدِ صنعِ خدائے جہاں مجھے
مرغوب ہی نظارۂ حسنِ بتاں مجھے

کیفیتِ فنا و بقا مجھ پہ کھل گئی
عبرت دکھا رہی ہی بہار و خزاں مجھے

صہبا سے اس لیے ہی فقط بیخودی پسند
کھلتا ہی اس خمار میں سرِّ نہاں مجھے

جاری ہی یہ نفس تو روانی عمر کی
دیتا ہی یہ صدا جرسِ کارواں مجھے

عبرت زدہ ہوں خوفِ خزاں ہی بہار میں
پھر کیا دکھلائے سیرِ چمن باغباں مجھے

ہی دل میں روشنی کی فقط مجھ کو آرزو
ہی اس لیے خیالِ رُخِ مہ رخاں مجھے

اس لالہ رو کے غم میں کھلے ہیں جو داغِ دل
پھر کیا ضرور سیرِ گل گلستاں مجھے

عبرت نے کیا ہجوم کیا ہر طرف سے جب
آیا خیال تربتِ شاہنشہاں مجھے

بہرام میری حسنِ حقیقی پہ ہی نگاہ
کیا ہو پسند حسنِ رُخِ گل رخاں مجھے

ہوئی فرہاد سے کیا کوہ پر تسخیر پتھر کی　　ملی تھی قدرتِ حق سے اسے جاگیر پتھر کی
وہ پتھر مار کر سر میں ہمارے یوں لگے کہنے　　نہیں تقصیر حضرت میری ہی تقصیر پتھر کی
بتانِ سنگ دل کے رعب سے بولا نہیں جاتا　　زباں ہو جاتی ہے منہ میں دمِ تقریر پتھر کی
اسیرِ حلقۂ گیسوئے سنگیں دل ہوئے ہمدم　　ہمارے پانو میں اب چاہیے زنجیر پتھر کی
ہوس ہیں پائے رنگیں کے ہوا ہے سنگ پا دیکھو　　سراسر ہو گئی ظاہر ہمیں تزویر پتھر کی
ہوئی حاصل نہ مجھ کو جبہ سائی وہ رہا در پر　　مری تقدیر سر پر ہنستی ہے تقدیر پتھر کی
بتانِ سنگ دل کی گفتگو سے لطفِ صحبت ہے　　نتیجہ کیا اگر بیٹھی رہی تصویر پتھر کی

کرے اب اس غزل سے ہمسری کس کی غزل دیکھوں
بنائی اس لیے بہرام ہے تعمیر پتھر کی

خادم ہیں جاں نثار ہیں سرکار آپ کے　　دل سے ہوئے ہیں بندۂ دربار آپ کے
آنکھوں میں ہیں سمائے جو انوار آپ کے　　جلوے ہیں شش جہت میں بس اے یار آپ کے
عشاقِ زلف اب دلِ صد چاک لے چلیں　　شانہ طلب ہیں طرۂ طرار آپ کے
رویا جو ان کی بزم میں جھنجھلا کے یہ کہا　　"رسوا کریں گے دیدۂ خونبار آپ کے"
دستِ کرم جو سینے پہ ان کے رکھو ذرا　　پاویں شفا مریض دلِ افگار آپ کے
شب بھر رہا ہوں میں مہ تاباں کو دیکھتا　　آئے ہیں جب نظر کبھی رخسار آپ کے

بہرام یاد ہے تمھیں تسخیر کا عمل
گرویدہ رہتے ہیں جو طرحدار آپ کے

نہ تاب لائیں گے بولو نہ آپ تو ہم سے　　کرو ذرا شرفا کی سی گفتگو ہم سے
کہا تو مان دلا ہے وہ یار ہرجائی　　پھرا نہ جائے گا بیتاب سو بسو ہم سے
نکل ہی جائے گی یہ جاں ہے دل مرا نازک　　خفا نہ ہووے خدایا وہ تند خو ہم سے
جو خاک بھی ہوئے ہم تو بھی گرد باد آسا　　تری نہ جائے گی اے یار جستجو ہم سے

جو ہمسری کا ترے رُخ سے اس کو ہو دعویٰ سحر کو ہو تو ذرا ماہ رو برو ہم سے

بلائے جاں ہوئی بہرام یہ پریشانی
ہر اس کی زلف تو آشفتہ ہو بمو ہم سے

درمیانِ ہر دو کاکل وہ رُخِ پُر نور ہے روز روشن یا میانِ دو شب دیجور ہے

قربِ زلفِ عنبریں کا یا رُخِ پُر نور ہے کون کہتا ہے حلب ملکِ ختن سے دور ہے

سنگِ در جو ہے ترا وہ سجدہ گاہِ خلق ہے ماجرائے سنگِ اسود دیکھ لو مشہور ہے

یہ کچھ زوالِ حسن کی کیا اس کو آگاہی نہیں حسن پہ نازاں بہت وہ دلبرِ مغرور ہے

ہائے یارِ بے نشاں کا کچھ پتا ملتا نہیں کیا جوابِ نامہ لاوے نامہ بر معذور ہے

جو ترا ارشاد ہے بس وہ عبادت ہے مری جو ترا فرماں ہے وہ جاناں مجھے منظور ہے

برق و سیماب و شرار و شعلہ سب ہیں منفعل ہائے پہلو میں تڑپتا کیا دلِ محرور ہے

سب جبیں سا تیرے در پر اسفل و اعلیٰ ہوئے کیا گدائے کوچہ اور کیا قیصر و فغفور ہے

چھوڑ کر یادِ خدا یادِ بتاں کی اختیار
واہ وا بہرام جی صاحب یہ کیا دستور ہے

تمہارے قد و قامت سے جو الفت کی تو ہم نے کی دلِ شوریدہ پر اپنے قیامت کی تو ہم نے کی

دیا دل آتشیں خوبانِ عالم کو رہے جلتے قصورِ شعلہ رویاں کیا شرارت کی تو ہم نے کی

جو آیا ناوکِ مژگانِ قاتل دی جگہ دل میں مروت سے جو مہمانوں کی عظمت کی تو ہم نے کی

جہاں دیکھا تمہارا نقشِ پا سر کو رکھا اس پر رہے سجدہ کناں دائم عبادت کی تو ہم نے کی

رہے چلہ نشینی میں ترے کوچے میں ہم جاناں گدائے در ترے ہو کر ریاضت کی تو ہم نے کی

نہ پھیرا منہ کو مقتل میں نری شمشیر براں سے ترے عشاق میں قاتل شجاعت کی تو ہم نے کی

جفا و جور کو سمجھے وفا و مہر ہم ہر دم صنم تیری جو مرضی پر قناعت کی تو ہم نے کی

رکھا سر سب سے پہلے ہم نے مقتل میں تہ خنجر شہیدوں میں ترے قاتل امامت کی تو ہم نے کی

اتاری ہی تصور سے تری تصویر اب دل میں   طریق عشق بازی میں کرامت کی تو ہم نے کی

کیا دل نذرِ مژگاں جاں نثارِ غمزۂ قاتل

محبت میں جو ای بہرامؔ ہمت کی تو ہم نے کی

دل شانہ ہو تو گیسوئے پر خم کو دیکھیے   کرتے ہیں چاک دل کو جو ہم ہم کو دیکھیے

میں رنگِ گندمی پہ جو مائل ہوں کیا گناہ   انصاف سے حقیقتِ آدم کو دیکھیے

فرزند پر نہیں ہی جہاں میں پدر کو مہر   باور نہیں تو قصۂ رستم کو دیکھیے

دل کو ہوئی ہی دیدِ رخِ یار کی تلاش   جز وِ ضعیف و عزم مصمم کو دیکھیے

بہرامؔ زخمِ ناوکِ مژگاں کی لذتیں

وہ ہیں نہ عمر بھر کسی مرہم کو دیکھیے

کیا محذوف لفظ ما و من ہم نے تو کیا ٹھہرے   صنم انصاف کر او اصل ہوئے یا ماسوا ٹھہرے

سراپا ناز گر تیرا خرامِ فتنہ زا ٹھہرے   تو مردوں اور زندوں میں بھی اک محشر بپا ٹھہرے

ترا کوچہ نہ کیونکر یادگارِ کربلا ٹھہرے   نہ اک دم عاشقوں پر جب تری تیغِ جفا ٹھہرے

برابر گردنیں دونوں کی خم دیکھیں عبادت میں   ترے بندے جہاں میں ای صنم شاہ و گدا ٹھہرے

ہوئے جو خاک سوزِ الفت روئے مصفا سے   وہی ہر بزم میں سر دفترِ اہلِ صفا ٹھہرے

جنھوں کے فرق پر ظلِ ہما پڑتا ہی عالم میں   تری دیوار کے سایہ نشیں کی خاکِ پا ٹھہرے

جو تیری جنبشِ ابرو ہو بندا ای قاتلِ عالم   تو چکرِ آسماں کا اور زمیں کا زلزلا ٹھہرے

یدِ بیضا خجل اور پنجۂ خورشید ہی نادم   کفِ رنگیں پہ ہی اعجاز گر رنگِ حنا ٹھہرے

تماشا ہی وہ غیروں کے لیے تو باوفا ٹھہرے   ہمارے حق میں لیکن موجدِ جور و جفا ٹھہرے

ہمیں منظور ہی حق میں ہمارے جو سزا ٹھہرے   ترے پانوؤں کو چھو کر یار ہم اہلِ خطا ٹھہرے

ازل سے ہم تمھارے قیدیِ زلفِ رسا ٹھہرے   صفِ عشاق میں جب قائلِ قالوا بلیٰ ٹھہرے

بتوں کے عارضِ انور پہ جو مہرِ ضیا ٹھہرے   تو گیسو بھی انھوں کے دامِ زنجیرِ بلا ٹھہرے

ستم گر پُر جفا ٹھہرے کرم سے باوفا ٹھہرے
غضب ہے بانِ گُل رخسار کے ناز و ادا ٹھہرے

ہوا جو مست و دیوانہ وہ رندوں میں ہوا شامل
رہے جو باادب عاشق وہ بندے پارسا ٹھہرے

جفا پر ہم ہوئے شاکر وفا کے ہم ہوئے صدقے
تمھاری بندگی میں محوِ تسلیم و رضا ٹھہرے

جو بیٹھے پھر نہ اٹھے عمر بھر ہم تیرے کوچے سے
ترے کوچے میں شاید یار ہم بھی نقشِ پا ٹھہرے

رکھا سر بے تکلف ہم نے مقتل میں تہ خنجر
صفِ عشاق میں جب لائقِ صد مرحبا ٹھہرے

تمھاری زلفِ عنبر بو کی نکہت کی تمنا ہے
اسی تقصیر سے ہم خلق میں اہلِ خطا ٹھہرے

رواں ہے کاروانِ عمر جاری ہے نفس ہر دم
کہاں جا کر نہیں معلوم یارب یہ ذرا ٹھہرے

کہا یوں بزم میں مجھ کو سنا کر اس نے غیروں سے
تماشا دیکھیے بہرام میرے آشنا ٹھہرے

گیسوانِ عنبریں جس دم اٹھائے یار نے
نور سے معمور عالم کو کیا رخسار نے

ہمسریٔ نکہتِ زلفِ بتاں کرنی نہ تھی
بہ خطا کی ساکنانِ خطۂ تاتار نے

سب شہیدِ تیغِ قاتل زندۂ جاوید ہیں
کر دیا اعجازِ عیسیٰ یار کی تلوار نے

اب لبِ شیریں سے جب لکنت ہوئی تجھ کو صنم
لذتِ قندِ مکرر دی تری گفتار نے

دوستوں سے منہ کبھی بہرام نے پھیرا نہیں
پر دکھایا یہ تماشا گنبدِ دوّار نے

کہاں وہ ستم گر بھلا جانتا ہے
مرے دل کی حالت خدا جانتا ہے

جو کاکل کو اس کی بلا جانتا ہے
تو پھنستا ہے کیوں گر دلا جانتا ہے

ہنسا گل بہارِ دو روزہ پہ ناحق
فنا کو یہ شاید بقا جانتا ہے

نمازیں پڑھیں شیخ نے اور بھاگا
عبادت کا یہ کیا مزا جانتا ہے

ہوا خاک میں جب کہ الفت میں تیری
ہر اک مجھ کو اہلِ صفا جانتا ہے

کسی کی برائی میں ہوگا نہ شامل
جو تصدیقِ روزِ جزا جانتا ہے

ہوا تجھ پہ بہرام مائل مقرر

یہ عالم تو کیا ہے خدا جانتا ہے

مجھے دل سے جاناں بھلا کر گئے — اب انصاف کیجے یہ کیا کر گئے

نہ آتے تو بہتر تھا اک صبر تھا — غضب یہ کیا تم تو آ کر گئے

وفا کی مجھے تم سے امید تھی — وفا کی جگہ تم جفا کر گئے

جو دامن بھی پکڑا تو وقتِ وداع — مرے ہاتھ سے تم چھڑا کر گئے

ہوا دل کو بہرام کیسا یہ درد

مرے دل کو ناحق خفا کر گئے

جو ہے یاں آسایش و رنج و محن میں مست ہے — کوچۂ جاناں میں ہم ہیں قیس بن میں مست ہے

تیرے کوچے میں ہے قائل رقص گاہِ عاشقاں — کوئی غلطاں سر بکف کوئی کفن میں مست ہے

میکدے میں بادہ کش بتخانے میں ہیں بت پرست — جو ہے عالم میں وہ اپنی انجمن میں مست ہے

نکہتِ زلفِ صنم سے یاں معطر ہے دماغ — کوئی مشکِ چیں کوئی مشکِ ختن میں مست ہے

ہے کوئی محوِ نماز اور حرم کدے میں کوئی مست — دل مرا عشقِ بتانِ دل شکن میں مست ہے

ہے مسلماں کو ہمیشہ آبِ زمزم کی تلاش — اور ہر اک برہمن گنگ و جمن میں مست ہے

عکسِ روئے شمع رو ہے میرے دل میں جاگزیں — دل مرا اس آتشِ لمعہ فگن میں مست ہے

ہے مرا ہر شعرِ تر بہرام کیسا پُر اثر

جس کو دیکھو مجلسِ اہلِ سخن میں مست ہے

یہ دلِ دیوانہ کیا بزمِ حسیناں چھوڑ دے — بلبلِ نالاں بھلا کیسے گلستاں چھوڑ دے

گر کہیں کھل جائے بل زلفِ سیاہِ یار کا — دعوئ ظلمت شبِ دیجورِ ہجراں چھوڑ دے

عشق گر بیتاب ہے تو حسن ہے بے پروا مدام — کیا زلیخا پھر مہِ کنعاں کا داماں چھوڑ دے

گر پڑھوں جا کر گلستاں میں کوئی رنگیں غزل — دعوئ نغمہ ہر اک مرغِ خوش الحان چھوڑ دے

دین زردشتی تو روشن ہی ہو جانے کے لیے — گر کوئی سمجھے تو کیونکر نورِ عرفاں چھوڑ دے
ہی مگر بیمار ہیں مقلد اور موبد بے کمال — بس دلا بہتر کہ ان دونوں کا داماں چھوڑ دے
اور ہی دستور بھی دانائے رسمیاتِ دیں — فکرِ رسمیاتِ ظاہر کا بھی ناداں چھوڑ دے

ہی مگر تاکید دل پر اب یہی بہرام کی
دیکھنا ایسا نہ ہو توحیدِ یزداں چھوڑ دے

دل پہ زخمِ کاریٔ شمشیرِ قاتل ہو چکے — شکر ہی اس کے شہیدوں میں تو داخل ہو چکے
بوسۂ لب ہائے شیریں صنم کس کو ملا — سینکڑوں خاموشِ حسرت لاکھوں سائل ہو چکے
بندگی سے تیری جاناں ہم نکل سکتے نہیں — جلسۂ قالوا بلیٰ میں پہلے قائل ہو چکے
یار کی محرابِ ابرو کا تصور ہی جنھیں — دیکھ کر محرابِ کعبہ اس سے غافل ہو چکے
تجھ سے یہ رندانِ بے پروا سمجھ سکتے نہیں — وعظ زاہد ہو چکا تیرے مسائل ہو چکے
جو رہے ہیں یاد سے تیری نہ غافل ایک دم — عشق میں قابل ہوئے الفت میں کامل ہو چکے

دیر و کعبہ دوزخ و جنت سے کچھ مطلب نہیں
کوچۂ جاناں میں ہم بہرام داخل ہو چکے

دوست دشمن جان کے میری جو خواہاں ہو گئے — ہر طرف سے قتل کے کیا کیا نہ ساماں ہو گئے
بوسۂ لب ہائے خوباں پے بہ پے ہم نے لیے — اپنے قبضے میں عجب ملکِ بدخشاں ہو گئے
ہی تصور کاکلِ پیچانِ خوباں کا مدام — ہم بھی اس ظلمت کدے میں کیا پریشاں ہو گئے
ہم ہیں محوِ عارضِ رخسارِ پر انوار دوست — بیخودی میں ساجدِ خورشیدِ تاباں ہو گئے
اک بتِ کافر کی الفت میں ہوئے کافر جو ہم — رشتۂ زنار سب تارِ گریباں ہو گئے
گلرخوں کی زلف سنبل رخ ہی گل نرگس ہی چشم — ہائے کیا بے قدر عالم میں گلستاں ہو گئے

آئینہ رویوں کا دیکھا حسن اے بہرام جب
محوِ حیرت ہو گئے مدہوش و حیراں ہو گئے

دل چاک چاک ہو یہ ہوئی ہی ہوس مجھے ‍ ‍ کاکل تک اس کی تا ہو کہیں دسترس مجھے

ملتا ہی اس سے لطف صدائے دلِ حزیں ‍ ‍ آئی پسند اس لیے بانگِ جرس مجھے

میں ہوں موحد ایک نظر ہی مری یہاں ‍ ‍ یکساں ہی لطفِ سیرِ گل و خار و خس مجھے

صحنِ چمن ضرور نہیں بہرِ آشیاں ‍ ‍ کافی ہی ایک مشت فقط خار و خس مجھے

کرتے ہیں وجد نالۂ موزوں پہ اہلِ وجد ‍ ‍ ہوں داد خواہ سمجھے ہیں سب نادرس مجھے

ہی یہ درائے قافلۂ عمر دہر میں ‍ ‍ دیتا ہی یاد کوچ کی اب ہر نفس مجھے

خوفِ تنزل اور نہ ترقی کی جستجو ‍ ‍ باقی ہی لطفِ یار کی اے دل ہوس مجھے

کہتے ہیں وصل کس کو میں بہرامؔ کیا کہوں
پابوسِ یار تک نہ ہوئی دسترس مجھے

جان تازہ آگئی موقوف بد حالی ہوئی ‍ ‍ کیا صدائے قُم پہ فائق آپ کی تالی ہوئی

شایقانِ دید کو کیا عیدِ خوش حالی ہوئی ‍ ‍ یار کو منظورِ خاطر غرفے کی جالی ہوئی

ہی یہ پھر لبریز بیشک نورِ عرفاں سے دلا ‍ ‍ طبعِ انساں جبکہ حرص و آز سے خالی ہوئی

کیا کروں بہرامؔ میں حسنِ بتاں پر اب نظر
مجھ کو کب یادِ خدا سے فارغ البالی ہوئی

ہی تمنائے شہادت تیغ عریاں کیجیے ‍ ‍ تا ابد باقی رہے سر پر وہ احساں کیجیے

ہیں بہت افشائے رازِ عشق میں رسوائیاں ‍ ‍ تا بہ مقدور اپنے اے دل راز پنہاں کیجیے

خاک بیزی کی بہت مشکل رسائی یار تک ‍ ‍ چل دلا! اب کوئی دن سیرِ بیاباں کیجیے

لالہ رویاں کی محبت میں بہت کھائے ہیں داغ ‍ ‍ دل کو بہلاویں ذرا سیرِ گلستاں کیجیے

ہیں زبانیں خشک ان کی اپنی ہمت ہی مدد ‍ ‍ آبلوں سے دعوتِ خارِ مغیلاں کیجیے

روئے روشن سے تمھارے دن ہوا آفاق میں ‍ ‍ نیند آئی ہی ذرا زلفیں پریشاں کیجیے

دل لگائیں یادِ حق میں بال اپنے ہیں سفید ‍ ‍ تا کجے بہرامؔ بیٹھے یادِ خوباں کیجیے

ہجرِ جاناں میں عجب حالِ دلِ بیتاب ہی — دل مرے پہلو میں ہی یا پارۂ سیماب ہی
آفتابِ حشر بھی شرمندہ ہوگا ایک دن — یار تیرا رُخ بھی رشکِ مہرِ عالمتاب ہی
سب سرائے دہر میں شب باش ہو کر گم ہوئے — پھر کہاں دارا سکندر رستم و سہراب ہی
دیدۂ بیدار سے عالم ہوا ہی سب مطیع — بوریائے فقر رشکِ مسندِ کمخواب ہی
کیا لکھوں اشعار ای بہرام دل لگتا نہیں
ورنہ میرا ہر سخن اک گوہرِ نایاب ہی

جب سے محوِ رُخِ جاناں دل ہی — غیرتِ کانِ بدخشاں دل ہی
ہو جو محوِ رُخِ پُر نورِ صنم — مشرقِ مہرِ درخشاں دل ہی
آئے وہ یوسفِ ثانی اس میں — پھر تو رشکِ مہ کنعاں دل ہی
تیری مستی کی اداہٹ دیکھی — غیرتِ شامِ غریباں دل ہی
ابروے یار کا ہر دم ہی خیال — اب نہ خنجرِ براں دل ہی
شیخ کعبے کو چلا ہی ناحق — بے سمجھ معدنِ عرفاں دل ہی
نورِ عرفاں ہی اسی میں حاصل — کچھ عجب بخششِ یزداں دل ہی
دل کی کچھ قدر نہ جانی بہرام
مظہرِ سرِ نمایاں دل ہی

بس بس خانہ خراب تا کی — ہم پر یہ ترا عتاب تا کی
یہ جور و جفائے یار کب تک — ای بارِ خدا عذاب تا کی
یہ لختِ جگر مژہ پہ کب تک — آنکھوں سے یہ خونِ ناب تا کی
نازک ہی یہ دل نکیر و منکر — تکرارِ بدی جواب تا کی
عالم میں تو ہر جگہ ہی موجود — یہ پردہ تا کی نقاب تا کی
اس بحر میں ہوشیار بہرام — ہی زندگی حباب تا کی

رخِ شفاف سے جب تو نے زلفِ عنبریں الٹی
پھری اہلِ جلا ہئے اہلِ چیں نے راہِ چیں الٹی

چلے جاتے ہیں سر کے بل جبیں سا سجدے میں عاشق
مگر ہے کوچۂ جاناں کی شاید سرزمیں الٹی

حنائی پنجۂ رنگیں ہو کافی قتلِ عاشق کو
قیامت ہو گی قاتل تو نے جس دم آستیں الٹی

جو کہیے ان سے الفت اور پیدا ان کو نفرت ہو
سمجھ رکھتے ہیں کافر نازنینانِ حسیں الٹی

جلایا دل ہمارا اور اثر اس پر نہیں مطلق
ہوئی بہرامؔ یہ تاثیرِ آہِ آتشیں الٹی

عرشِ اعظم سے بھی بالاتر جنابِ حسن ہے
یار بھی شاہنشہ گردوں رکابِ حسن ہے

شش جہت میں نور روشن یار کا ہے جلوہ گر
ہر دو عالم میں وہ دلبر آفتابِ حسن ہے

دعویٔ یکتائی تیرا ہو گیا ثابت صنم!
کون تیرا بزمِ خوباں میں جوابِ حسن ہے

قصرِ دل میں یار کی تصویر سے ہے روشنی
دل مرا فضلِ خدا سے کامیابِ حسن ہے

شمع رویوں کی محبت میں میں جلتا ہوں مدام
کیا مقرر واسطے میرے عذابِ حسن ہے

جام و ساغر سے نہ مینا سے غرض بہرامؔ کو
یار کا نظارہ ہے مستِ شرابِ حسن ہے

جو تجھ سے بڑھ ہی کاکل دوتا ٹھہری
ہماری جان کی دشمن تو اے صبا ٹھہری

جو ایک جنبشِ ابرو سے قتلِ عالم ہو
قضا جہان کی ظالم تری ادا ٹھہری

دوئی کا پردہ ہے جب تک یہ ما و من بھی ہیں
دوئی اٹھائی جو ہم نے تو بات کیا ٹھہری

ثبوت ہمتِ پامالیٔ شہیداں ہے
گواہ پاؤں کی قاتل تری حنا ٹھہری

کہاں کا عذر نہیں جنبشِ زباں لازم
وفا تو ایک طرف حجتِ رضا ٹھہری

کیا ہے خوب انصاف جان کے بدلے
نگاہِ ناز تری یار خوں بہا ٹھہری

ہوئے جو نقشِ قدم تھی یہ ابتدا اپنی
ہیں خاکِ کوچۂ جاناں یہ انتہا ٹھہری

کیا ہے شانہ صفت ہم نے دل کو گو صد چاک
نہ ہم سے صاف تری کاکلِ رسا ٹھہری

کہیں ہے افعیٔ پیچاں کہیں سلاسل ہے — کہیں ہے دام تری زلف بھی بلا ٹھہری

تجلیٔ کفِ روشن سے برق ہے نادم — کمال ہے جو ترے ہاتھ پر حنا ٹھہری

کہا تو چاند اسے سہو سے پہ نادم ہوں — کہ منہ دکھانے کی اب صبح کو نہ جا ٹھہری

ہے اس کا لطف دو عالم پہ شکر کر بہرام
کہ خاص تیرے لیے یار کی جفا ٹھہری

دل کی یک رنگی صفائی ہو چکی — کفر و ایماں کی لڑائی ہو چکی

جب بتوں سے آشنائی ہو چکی — دین داری پارسائی ہو چکی

جنبشِ ابرو سے قتلِ عام ہے — بس کرو تیغ آزمائی ہو چکی

جب دوئی کا پردہ دل سے اٹھ گیا — بندگی پھر کیا خدائی ہو چکی

جب تعین سے ہوئے آزاد ہم — دونوں عالم میں رہائی ہو چکی

ہے نظر میں اب مری نورِ خدا — مہ رخوں کی رونمائی ہو چکی

اپنے کاکل سے جو الجھے رات بھر — ایسے کافر سے رسائی ہو چکی

جس گھڑی پہنچا تقاضائے اجل — پھر یہ خانی سیر زائی ہو چکی

جب نظر آیا ہمیں فانی جہاں — گل رخوں کی آشنائی ہو چکی

ہے حقیقی پر نظر بہرام کی
اب مجازی سے جدائی ہو چکی

کھینچ کے قاتل تیری جب شمشیر آدھی رہ گئی — ہر شہادت خواہ کی تقدیر آدھی رہ گئی

ہاتھ دوڑایا تو تھا پر پاؤں تک پہنچا نہیں — کی تو تھی تقصیر پر تقصیر آدھی رہ گئی

یار نے کوچے میں آنے پر کیا تجویز قتل — رک گیا خنجر مری تعزیر آدھی رہ گئی

وہ بتِ کافر کہیں مسجد میں آ نکلا جو کل — شیخ کے ہوش اڑ گئے تکبیر آدھی رہ گئی

سرو قد اٹھا تھا وہ اب کھل گیا جو رازِ عشق — نصف قد تعظیم دی توقیر آدھی رہ گئی

دردِ دل جس دم کہا فرمایا قصہ ہے دراز　　مدعا کیسا مری تقریر آدھی رہ گئی

پیچ کیسے خم پہ خم دل ہائے عالم پڑ گئے　　کھل کے جب وہ کاکلِ شبگیر آدھی رہ گئی

اس زمیں میں اور بھی بہرام تم لکھو غزل

کیوں قلم کو رکھ دیا تحریر آدھی رہ گئی

جب نہ خنجر اٹھ سکا تکبیر آدھی رہ گئی　　کیا تمنائے دلِ دلگیر آدھی رہ گئی

جلوۂ جاناں ہے روشن دل مرا معمورہ ہے　　ہے وہ کافر جو کہے تنویر آدھی رہ گئی

تابِ نظارہ کہاں تصویر کیسے کھنچ سکے　　اس سبب سے یار کی تصویر آدھی رہ گئی

عرش تک پہنچی، نہ پہنچی یار تک افسوس ہے　　ہائے آہِ نارسا تاثیر آدھی رہ گئی

قصرِ گیسو او بتِ کافر کیا تو نے عبث　　تیرے دیوانوں کی اب زنجیر آدھی رہ گئی

آپ کے تھے گرد اے بہرام خوباں رات دن

اب کے جلسہ کم ہے کیا تسخیر آدھی رہ گئی

باقی جو دوئی کا نہیں پردا مرے آگے　　یکساں ہوئے کعبہ و کلیسا مرے آگے

تابِ رخِ دلدار نہ تھی طور کو دیکھا　　کیا فخر کریں حضرتِ موسیٰ مرے آگے

وہ نالۂ پُر درد سے در پر نکل آیا　　قدرت کا ہوا آج تماشا مرے آگے

ایماں کی تمنا ہے فدا تجھ پہ کروں میں　　للہ نکل او بتِ ترسا مرے آگے

ہے زندگی اپنی بتِ جاں بخش پہ موقوف　　ہے بازیٔ طفلاں قمِ عیسیٰ مرے آگے

پروانے کی ہمت ہے نہ پھر ہجر کو دیکھا　　بلبل تو نہ کر عشق کا دعویٰ مرے آگے

معشوق کو محبوس کیا وائے محبت　　کیا عشق کا لے نام زلیخا مرے آگے

ہر جزو سے حاصل مجھے اب کل کا تماشا　　قطرہ کو جو دیکھوں تو ہے دریا مرے آگے

ہیں رند سبو کش ہوں نہیں زہد سے کچھ کام　　ہاں چاہیے اک ساغر و مینا مرے آگے

کیفیتِ قاروں سے جو واقف ہوں میں بہرام　　کچھ مال نہیں دولتِ دنیا مرے آگے

پیشِ نظر بتوں کا رُخِ پر ضیا رہے | لیکن نظر میں چاہیے نورِ خدا رہے
آزاد بارِ خلق سے ہوں تاجِ فقر میں | زیبا یہ بادشاہوں کا ظلِ ہما رہے
بغض و حسد غبارِ طبیعت سے صاف ہیں | ہے آرزو کہ صحبتِ اہلِ صفا رہے
عجز و نیاز حد سے ہمارا گزر گیا | پر وہ ہمیشہ بر سرِ ناز و ادا رہے
ملنے نہ ملنے کے تو وہ مختار آپ ہیں | اتنی ہے آرزو مجھے ان کا پتا رہے
ہیں پیچ پیچ مو بمو اور خم بہ خم اسیر | پابند و قیدیٔ سرِ زلفِ دوتا رہے
جلوہ ترا جدھر کو ہو سجدہ کروں ادھر | کعبے کی ایک سمت کو قبلہ نما رہے

بہرام اب کسی کی نہیں دل کو آرزو
وردِ زباں مگر مرے نامِ خدا رہے

پاسِ عزت ہے نہ کچھ غیرت ہے ننگ و نام کی | عشقِ خوباں میں یہ رسوائی ہوئی بہرام کی
ہر جگہ تسبیح ہے اے یار تیرے نام کی | کیا شکایت اختلافِ کفر اور اسلام کی
گرتے ہیں شوقِ اسیری میں ہزاروں بے حواس | کیا قیامت ہے کشش صیاد تیرے نام کی
شیخ کو مسجد مبارک، برہمن کو بت کدہ | ہے ہمیں صبح و مسا تسبیح تیرے نام کی
جو پھنسا اس میں ہوا قیدِ دو عالم سے رہا | ہے عجب دولت اسیری زلفِ عنبر فام کی
قتل ہو کر جب ملی مجھ کو حیاتِ جاوداں | تا ابد منت ہے سر پر تیغِ خوں آشام کی
گریۂ وقتِ ولادت درد و غم کا تھا پتا | عمر بھر صورت نہ دیکھی راحت و آرام کی
عارضِ تابان و زلفِ یار کے بندے ہیں سب | نورِیاں قبلہ تو واں عادت نمازِ شام کی
سر بسجدہ خاکِ کوئے یار ہو ملبوس تن | کوئے جاناں میں ضرورت ہے مجھے احرام کی

صرفِ عشقِ گل رخاں میں گر ہوا آغازِ عمر
اب تو کر بہرام آخر فکر کچھ انجام کی

کھلی مجھ کو حقیقت اہلِ دولت کے تجمل کی | خزاں میں جب خرابی ہو گئی گلزار میں گل کی

بنی ہے کچھ عجب تقدیر میری اور بلبل کی ۔۔۔ مجھے ہے گلرخوں کا عشق، الفت اس کو ہے گل کی

خزاں میں جس طرح سے زرد رنگت ہوگئی گل کی ۔۔۔ یہی صورت ہے خط سے حسنِ خوباں کے تنزل کی

ملا بھی ظرفِ ضبطِ رازِ الفت کا مجھے ہمدم ۔۔۔ صدا ہے ہر طرف سے ورنہ میخانے میں قلقل کی

دلِ کون و مکاں ہے پیچ و خم میں اس کے وابستہ ۔۔۔ درازی ہے بلا زلفِ مسلسل کے تسلسل کی

یہاں ساکت رضا پر شیخ لاچاری سے ہے ساکت ۔۔۔ ہمیں پیشِ نظر تسلیم اسے عادت توکل کی

دلا پابندِ الفت عاشق و معشوق دونوں ہیں ۔۔۔ اسے بخشی ہے بیتابی اسے دی خو تحمل کی

ہزاروں لطف ہیں عشاق پر لاکھوں عنایت ہیں ۔۔۔ کروں کیا کیا صفت جاناں ترے طرزِ تغافل کی

تمھارے رمز غیروں کے اشارے کچھ نہیں مخفی ۔۔۔ مگر مرضی تمھاری ہم نے عادت کی تجاہل کی

تمھاری خاکِ در ہے مسندِ کمخواب پر فایق ۔۔۔ ترا کوچہ ہے تو پروا نہیں کشمیر و کابل کی

نہ رہتا ورد تجھ کو چار قل کا زاہد خود بیں ۔۔۔ صدا سنتا صفائے دل سے گر مینا کے قلقل کی

سحر ہے مہر سے دل کو تسلی یادِ عارض میں
ہوئی جب شام اے بہرام پھر ہے یاد کاکل کی

شہادت خواہوں سے مقتل ہوا جب ایک دم خالی ۔۔۔ رہی پھر قبضۂ قاتل میں شمشیرِ دو دم خالی

نہ پڑتا عکس تیرا یا نہ ہوتا پرتوِ عارض ۔۔۔ تو ہوتا آئنہ کب صاف ہوتا جامِ جم خالی

تری ابروے پرخم سے مشابہ ہے تو سجدہ ہے ۔۔۔ نہ ہوتا خم تو رہتی صاف محرابِ حرم خالی

کیا معمور حق نے نورِ عرفاں سے مرے دل کو ۔۔۔ رکھے کب کاسۂ سائل وہ دریائے کرم خالی

تصور اے شہِ حسن اب ترا ایسا ہے عالم میں ۔۔۔ نہیں پاتا ہوں سکے سے ترے کوئی درم خالی

حجابِ حسن ہے تم کو لحاظِ وضع ہے ہم کو ۔۔۔ بہم ہونا ہے اب مشکل نہ تم خالی نہ ہم خالی

دیے لبریز ساغر سب کو محفل میں کہا مجھ سے ۔۔۔ ہے شیشہ ہاتھ میں میرے ترے سر کی قسم خالی

بلا کے پیچ ہیں ظالم ترے گیسوے پیچاں میں ۔۔۔ ہزاروں دل ہیں پھنسے ہیں نہیں ہے کوئی خم خالی

نہایت خلق میں شور و بکا ہے قحطِ باراں سے ۔۔۔ ہوئی جو ایک دم اشکوں سے میری چشمِ نم خالی

تصورِ صبح عارض کا خیالِ زلف ہی شب کو — نہیں ہیں یار تیری یاد سے ہم ایک دم خالی
ترے ابرو کو محرابِ حرم سے کون دے نسبت — نہیں عالم کے سجدے سے مرا نقشِ قدم خالی
توہی اول توہی آخر توہی مطلع توہی مبدیٔ — نہیں جلوے سے تیرے نقشِ ایجاد و قدم خالی

جدھر ہی نورِ تاباں اس طرف کو اپنا سجدہ ہی
نہیں ہیں عشقِ روئے یار سے بہرام ہم خالی

آبِ ندامت اپنی اگر چشمِ نم میں ہی — واں جوششِ آبِ رحمت و بحرِ کرم میں ہی
مطلب نہ سیم و زر میں نہ جاہ و حشم میں ہی — اپنی رضا تو یار کے فضل و کرم میں ہی
گل میں ہی تیرا رنگ تو بلبل میں ہی صدا — تیری نوا ہی یار جو کچھ زیر و بم میں ہی
عالم کو آرزو ہی کہ ہو اس پہ جبہہ سا — کیا نقشِ حب لکھا ترے نقشِ قدم میں ہی
اٹھا نقاب یار تو ہی شور شش جہت — ہر شی پکارتی ہی کہ یہ نور ہم میں ہی
جوشِ صفائے دل سے ہیں اسرار منکشف — یاں کاسۂ گلی میں جو ہی جامِ جم میں ہی
خاصوں کو کر دیا تری تیغِ جفا نے قتل — شاخِ ستم بھی کیا ترے نخلِ کرم میں ہی
عالم ہوا اشارۂ ابرو سے تیرے قتل — دم تیغ کا نہاں ترے ابرو کے خم میں ہی
منصور بول اٹھا جو انا الحق تو کیا ہوا — دل ہی مقامِ یار تو وہ یار ہم میں ہی
شاید کہ ہو گیا ہو ترا واں کبھی گزر — اک مجمعِ جہاں جو یہ دیر و حرم میں ہی

بہرام اس زمیں میں لکھو اور اک غزل
اتنی روانگی تو تمھارے قلم میں ہی

برق اک شرار اس دلِ پرسوز و غم میں ہی — طوفاں بھی ایک قطرۂ مری چشمِ نم میں ہی
گر برہمن ہی دیر میں زاہد حرم میں ہی — عشاق کا مقام بھی کوئے صنم میں ہی
مرتے نہیں ہیں ہجر میں جیتے بھی ہم نہیں — اپنا عجیب حال وجود و عدم میں ہی
یکسر پری رخانِ جہاں ہیں مطیعِ زر — شاید کہ نقشِ مہرِ سلیماں درم میں ہی

ہم کو ازل سے عشقِ بتاں ہی نصیب ہیں — یہ آہ کا شرر ہی جو سنگِ صنم میں ہی

اپنی زبان خشک دکھاتے ہیں خارِ دشت — دریا دل آبلہ جو ہمارے قدم میں ہی

بیتاب دوڑے آتے ہیں آہوئے چیں ادھر — نکہت بلا کی گیسوئے پر پیچ و خم میں ہی

صافی و دُرد پر نہیں کچھ ہم کو اعتراض — تکرار ساقیا! نہ یہاں بیش و کم میں ہی

ہوں لب بلب ہیں طوق کمر ہو دیں سیر ہاتھ — موہوم ہی امید کہ مطلب عدم میں ہی

دل چاک چاک ہو گئے عالم میں شانہ ساں — کیوں برہمی یہ کاکلِ پر پیچ و خم میں ہی

لکھتے ہیں وصف گیسوئے مشکین یار کے — خوشبوئے مشک آج ہمارے قلم میں ہی

قصہ طویل ہی تری زلفِ دراز کا — یاں گفتگو ابھی تو فقط پیچ و خم میں ہی

بہرامؔ عشقِ عارضِ پر نورِ یار میں
شعلہ ہی مو بمو تو شرر اپنے دم میں ہی

خودی کو چھوڑتے پھر پارسا ہوتے تو ہم ہوتے — دلا پھر بندۂ خاصِ خدا ہوتے تو ہم ہوتے

مجازی چھوڑ کے رکھتے نظر عشقِ حقیقی پر — جہاں میں معدنِ نور و ضیا ہوتے تو ہم ہوتے

پھنساتا گر ہمیں صیاد عالم دامِ کاکل میں — تو پھر قیدِ دو عالم سے رہا ہوتے تو ہم ہوتے

بزیرِ سایۂ دیوارِ جاناں گر جگہ ملتی — تو بیشک مرجعِ شاہ و گدا ہوتے تو ہم ہوتے

کریں کب سجدہ شیخ و برہمن کی طرح پتھر کو — ترے نقشِ قدم پر جبہہ سا ہوتے تو ہم ہوتے

کہاں مقتل میں تابِ تیغِ قاتل تھی رقیبوں کو — مگر مصروفِ تسلیم و رضا ہوتے تو ہم ہوتے

پھرایا ہم کو دشت و کوہ میں اس وحشتِ دل نے — وگرنہ اس کے در پر نقشِ پا ہوتے تو ہم ہوتے

ہوس میں عارضِ پر نور کی ہی نور کا قبلہ — نقاب اٹھا تو پھر حق پر بجا ہوتے تو ہم ہوتے

تصور میں جو اس کے محو کرتے اپنی ہستی کو — بھرا دل ذات میں اس کی فنا ہوتے تو ہم ہوتے

جو لکھتے عاشقانہ اک غزل بہرامؔ اور اس پر
تو پھر مستوجبِ صد مرحبا ہوتے تو ہم ہوتے

تمھارے قیدیِ زلفِ دوتا ہوتے تو ہم ہوتے
اسیرِ دام و زنجیرِ بلا ہوتے تو ہم ہوتے

خمِ ابروئے قاتل پر فدا ہوتے تو ہم ہوتے
قتیلِ برشِ تیغِ جفا ہوتے تو ہم ہوتے

دلِ صد چاک وقفِ گیسوئے مشکیں اگر ہوتا
ہوا داری ہیں پھر رشکِ صبا ہوتے تو ہم ہوتے

ہوا حاصل نہ ہم کو سیم و زر یاں ورنہ ای ہمدم
بتانِ سیم تن کے آشنا ہوتے تو ہم ہوتے

دکھاتا جلوۂ رفتارِ ناز اپنا تو ای قاتل
بلا سے تیری پامالِ جفا ہوتے تو ہم ہوتے

ہماری منزلت کیا قافلے میں ہاں مگر ای دل
غبارِ کارواں بانگِ درا ہوتے تو ہم ہوتے

اٹھاتے زخم تیری تیغ کا لاکھوں مسرت سے
ترے بازوئے نازک پہ فدا ہوتے تو ہم ہوتے

پسند آتا جو اپنا خونِ دل رنگیں قباؤں کو
تو پھر پابوس سے رشکِ حنا ہوتے تو ہم ہوتے

اذاں مسجد میں ناقوس کلیسا نالۂ دل ہے
جو زیبِ بزمِ رند و پارسا ہوتے تو ہم ہوتے

سنبھلتا بارِ خنجر گر کفِ رنگینِ قاتل میں
شہیدِ شاہدِ گلگوں قبا ہوتے تو ہم ہوتے

قدم بوسی کے شایق ہیں مگر کیا اختیار اپنا
دگرنہ ای بتو گر سنگِ پا ہوتے تو ہم ہوتے

لگے کہنے نہیں آتے ہو کیوں اغیار کے ڈر سے
جو خوش ہوتے تو ہم ہوتے خفا ہوتے تو ہم ہوتے

ہم ای بہرام ہیں بندے ہمیں ہے بندگی واجب
سمجھتے پر یہ منظورِ خدا ہوتے تو ہم ہوتے

اقتدا ہم کو نہیں کافر و دیندار سے ہے
سجدہ اپنا تو ادا نقشِ کفِ یار سے ہے

کر دے اک وار سے آزادِ دو عالم ہم کو
مدعا ہم کو یہ قاتل تری تلوار سے ہے

دل ہوا اپنا خمِ گیسوئے مشکیں میں اسیر
لطف کیا پیچ و خمِ سنبلِ گلزار سے ہے

افسر و تاج کی نے ظلِّ ہما کی پروا
اپنی عزت تو ترے سایۂ دیوار سے ہے

لختِ دل نوکِ مژہ پر ہے وہاں قطرۂ آب
چشمِ گریاں کو شرف ابرِ گہربار سے ہے

دونوں باطن میں ہیں ابروئے صنم کے ساجد
ظاہری بحث عبث کافر و دیندار سے ہے

کوئی آزاد نہیں رشتۂ الفت سے تری
رشتہ سبحہ سے کوئی ہے کوئی زنار سے ہے

دل جو خوں ہو کے بہا قدر بھی سمجھے گل رو / سرخروئی مرے اس دیدۂ خوں بار سے ہے

روئے قاتل پہ نظر اپنی دمِ قتل رہے / اتنی منت ہمیں اس خنجرِ خوں خوار سے ہے

اور کبھی ایک غزل ہم کو سنا دے بہرام
یہ یقیں ہم کو تری کلکِ گہر بار سے ہے

عشق جو ہم کو ترے ابروئے خم دار سے ہے / ہم دلاور ہیں تو رغبت ہمیں تلوار سے ہے

گبر و ترسا و برہمن سبھی تیرے ہیں اسیر / خلق وابستہ خمِ گیسوئے بل دار سے ہے

شکر و قند و نبات اب نہیں آنے کے پسند / خواہشِ بوسہ ترے لعلِ شکر بار سے ہے

جذبِ دل کھینچ کے لائے گا تجھے اک دن یار / اتنی امید ابھی آہِ شرربار سے ہے

کیا تکلم ہو کہ رہتا ہوں ہمیشہ خاموش / محو یہ دل تری شیرینیٔ گفتار سے ہے

ہم جو پامال ہوئے حیف نہ تھا یہ معلوم / یعنی پامال دو عالم تری رفتار سے ہے

دین و ایماں سے کہاں کرتے ہیں سجدہ تجھ کو / کام اے بت نہ غرض سبحہ و زنار سے ہے

کیا رگِ جاں کی خبر ہو کہ ہوئے خود مفقود / آج کل ہم کو محبت کمرِ یار سے ہے

ماہ خورشید کا شایق نہ ہو کیونکر بہرام
عشق اس کو جو ترے روئے پُر انوار سے ہے

پھرا جب دیر و کعبہ میں تو اتنی بات حاصل کی / تو ہی موجود ہر جا گہ نہیں حاجت وسائل کی

جو اہلِ حال ہیں وہ جانتے ہیں عظمتیں دل کی / پھنسا ہی قال میں زاہد حکایت کر مسائل کی

ہمیں اب چاہیے تقریرِ عالم کی نہ فاضل کی / تری یکتائی ثابت ہی ضرورت کیا دلائل کی

ہوا جب محو تیرا رازِ محویت کھلا دل پر / تصور نے ترے کھولی حقیقت سرِ شاغل کی

خدا کی یاد کو بھولے بتوں پر ہو گئے مائل / جزا میں صدمۂ ہجراں نے آفت ہم پہ نازل کی

ہوئے جب محو گیسو تو نمازِ شام یاد آئی / ہوئے جب محو عارض تو نمازِ صبح شامل کی

نہ ہوگا غسل صحت ہم مریضانِ محبت کا / نہ جب تک ہو گی کچھ امداد آبِ تیغِ قاتل کی

نہ ٹھہرا قیمتِ جاں پر لبِ کافر پہ جب بوسہ
تو ہم نے دینِ ایماں کی بھی قیمت اس میں شامل کی

جفا و جورِ قاتل کا جو ہی مشتاق ہر عاشق
نہیں خواہش زمانے کو مگر سلطانِ عادل کی

غزل پڑھ عاشقانہ اور بھی بہرام مجلس میں
ترے اشعار سے سیری نہیں ہی اہلِ محفل کی

رہائی بخش شاید ہو گئی شمشیرِ قاتل کی
صدا باقی نہیں زنداں میں جو شورِ سلاسل کی

محبت تھی جو مجھ کو اس گلِ رنگیں شمائل کی
صدا ہی نالۂ زنجیر میں شورِ عنادل کی

ترے عارض سے دی تشبیہ میں نے ماہِ کامل کی
خطا کیا ہی محبت ہی مجھے رخسار کے تل کی

ہلال و خنجر و شمشیر سب دیکھے پہ ہی باقی
تمنا ابروے پیوستہ کے مد مقابل کی

بتانِ سنگدل پر جب ہوئے ہم سخت دیوانے
سزا میں سنگِ طفلاں نے یہ آفت ہم پہ نازل کی

میں ہوں اہلِ صفا و صاحبِ تہذیب کا بندہ
نہیں صحبت پسند آتی مجھے ہرگز اراذل کی

تو آیا انجمن میں بزمِ خوباں کی تھی یہ صورت
ہر اک کی شکل پر طاری تھی حالت فردِ باطل کی

ہوا کیا انقلابِ دہر ای بہرام حیرت ہی
جہاں میں اب نہیں ہی قدر کچھ مردانِ قابل کی

کوچے میں یار کے کوئی کیا راہ پا سکے
دونوں جہاں سے ہاتھ اٹھائے سو جا سکے

ارض و سما نہ بارِ محبت اٹھا سکے
یہ مشتِ خاک ہی جو تری تاب لا سکے

دیر و حرم پہ کیا ترا جلوہ ہی چار سو
بینا تو چشم دے جسے وہ تجھ کو پا سکے

عالم سے ہو زبان و لب و گوش جس کے بند
شاید وہ حالِ دل کبھی تجھ کو سنا سکے

گل گیر ہی جو بزم میں بہرِ زبانِ شمع
عاشق کی تاب کیا ہی زباں کو ہلا سکے

بیٹھے ہیں نقشِ پا کی طرح کوئے یار میں
کیا تاب غیر کی جو وہ ہم کو اٹھا سکے

گو عاشقوں نے کر دیے ایمان و دل نثار
پر آپ مہربانی سے ان تک نہ آ سکے

ہو گی قیامت اک نئی عشاق سے بپا
محشر میں گر نقاب نہ رخ سے اٹھا سکے

رندانِ مست سنتے نہیں زاہدوں کی بات ورنہ وہ مجھ کو لاکھ مسائل سنا سکے

بہرامؔ عشق عارضِ پُر نورِ یار میں
اتنا ہوا کہ نور کو قبلہ بنا سکے

خواہش نہ تاجِ شاہ نہ ظلِّ ہما کی ہے لیکن ہوس ہمیں فقط اس دلربا کی ہے
سبقت صفائے دل سے جو آئینے پر ہوئی تاثیر فیضِ صحبتِ اہلِ صفا کی ہے
جلوے کے واسطے دلِ انساں پسند ہوا تھا مشتِ خاک اس پہ یہ رحمت خدا کی ہے
عالم کو جسے ہیں ترے دیکھا تو کھل گیا جو یا تمام خلق ترے نقشِ پا کی ہے
دیکھا عبث نہیں رخِ خوبانِ مہ جبیں منظور دیدِ حسن سے نورِ خدا کی ہے
نقشِ قدم سے تیرے نہ سر کو اٹھائیے بس آرزو یہی ترے ہر جبہہ سا کی ہے
گو رنج و غم ہمیں رہا کچھ اس کا غم نہیں پابندی ہم کو یار کی قدر و قضا کی ہے

بہرامؔ اک غزل لکھو اور اس زمیں میں تم
محفل میں ہر طرف سے صدا واہ وا کی ہے

خواہش نسیم کی ہے نہ بادِ صبا کی ہے دل کو مراد نکہتِ زلفِ دوتا کی ہے
تقریر میں ہے سحر تو اعجاز چال میں کیا طرفہ بول چال مرے دلربا کی ہے
رکھتا نہیں ہے خاکِ شہیداں پہ وہ قدم بالا ہوا سے چال ترے بادپا کی ہے
پُر درد نالوں سے مرے بہکے ہیں قافلے دل کی صدا ہیں طرز جو بانگِ درا کی ہے
تم سا نہیں بتانِ جہاں میں کوئی حسیں ہیں نے کہا تو بولے یہ قدرت خدا کی ہے
ظاہر میں سبز ہوتی ہے باطن میں دل بھی خوں تشبیہ تام مجھ سے تو برگِ حنا کی ہے
بلبل سے انس ہے مجھے اس واسطے فقط الفت مجھے بھی شاہدِ رنگیں قبا کی ہے
ہوتی نہیں ہے صبح شبِ ہجر اپنی آج تاثیر یہ تصورِ زلفِ رسا کی ہے
مجھ کو عزیز ہے دلِ صد چاک اس لیے تمثیل اس سے شانہ و زلفِ دوتا کی ہے

بہرامؔ اپنا قبلہ رہا نور کی طرف
دیکھو محبت اس کے رخِ پرضیا کی ہے

قدم جو چوم کسی صاحبِ صفا کے لیے
تو صاف بوسے ہیں اک صنعتِ خدا کے لیے

جو آج بوسے ترے روئے پرضیا کے لیے
تو ہم نے لطف عجب قدرتِ خدا کے لیے

دہانِ زخم نے کیا بوسۂ لبِ سوفار
وفورِ شوق میں بس منھ ملا ملا کے لیے

ہوئے ہیں لطمہ خورِ قلزمِ محبت ہم
غریقِ بحرِ مصائب اک آشنا کے لیے

یہ گل رخوں پہ تصدق ہے خونِ دل اپنا
انھوں نے سر پہ ہیں احساں عبث حنا کے لیے

تمھارے سجدۂ نقشِ قدم کی حسرت میں
ہزار جا پہ نشاں جا کے نقشِ پا کے لیے

وفا کا پاس ہے ہم کو کہ جس کے باعث سے
ہزار صدمے ہیں سر پر تری جفا کے لیے

شمیمِ گیسوئے جاناں جو صبح کو لائی
تو چوم چوم تصور میں پا صبا کے لیے

گرا جو پانو پہ قاتل کے سر نہیں احسان
کہ ہم نے بوسۂ پا اپنی خوں بہا کے لیے

غرض سے دہر میں خالی نہیں کوئی بہرامؔ
غزل بھی لکھتے ہیں شاعر تو مرحبا کے لیے

جب مصائب کا تحمل ہفت خواں تک ہو سکے
جب کہیں رستم رسا مازندراں تک ہو سکے

شکرِ سجدہ یار کا مجھ سے کہاں تک ہو سکے
ایک ہی میری زباں اپنی زباں تک ہو سکے

شرطِ عبدیّت ہے تیرا شکر جاری ہے مدام
میں ترا شاکر ہوں جاناں بن جہاں تک ہو سکے

یار سے کہنا ترا کیا انتہائے لطف ہے
قاصدا گر تو رسا اس مہرباں تک ہو سکے

نافۂ تاتار اور مشکِ ختن کی کیا تلاش
دسترس گر کاکلِ عنبر فشاں تک ہو سکے

سنگِ درِ تیرا مرے سر سے نہ چھوٹے گا صنم
گو رسائی بزمِ خوبانِ جہاں تک ہو سکے

میں نوائے بہرامؔ سمجھوں ہے یہی معراجِ عشق
گر رسائی مجھ کو اس کے نردباں تک ہو سکے

بہار اپنے دل وجاں کی اگر لیتے تو ہم لیتے
مسرت وصلِ جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

وصال ان کا کسی عنواں ٹھہرتا ہائے پھر لذت
لبِ شیرین و خنداں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

نہ ہوتا حسنِ آدم زاد تو شوقِ حسیناں میں
خبر ملکِ پرستاں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

عوض ایماں کے گر بوسہ وہ طفلِ برہمن دیتا
تو قیمت اپنے ایماں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

نہ ہوتے دیکھ کر حسنِ بتاں دنیا میں ہم غافل
تو دولت نورِ عرفاں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

ہو ہوتے قتل ہم شمشیر پر اعجازِ قاتل سے
بقا پھر آبِ حیواں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

نہ چھٹتا دامنِ قاتل جو وقتِ قتل ہاتھوں سے
بہا خونِ شہیداں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

بجا قولِ ظفر ہے غیر کی بہرام کیا قدرت
بلائیں زلفِ جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

کیا صفائے نور اس خورشید رو کے تن میں ہے
اک خدا کا نور ہے جو اس کے پیراہن میں ہے

شہرہ ہے تیرے لب و دنداں کا جو آفاق میں
لعل مخفی کان میں روپوش دُر معدن میں ہے

عمر بھر رکھا تصور میں رُخ پر نورِ دوست
روشنی جب داغِ سوزاں کی مرے مدفن میں ہے

جستجو ہے اس کو شاید عارضِ گلرنگ کی
بلبلِ نغمہ سرا نالاں جو ہر گلشن میں ہے

دوڑتے آتے ہیں ہر سو صیدِ بخود سر بکف
کیا کماں و تیر دستِ ترکِ صید افگن میں ہے

ہر قدم پر یہ وہ سر ٹانکے پہ ہو جاتا ہے گم
کیا تشابہ زندگی کا رشتۂ سوزن میں ہے

سنگِ تربت بعد مردن سنگِ مقناطیس ہو
نعلِ آہن اس ستمگر کے سمِ توسن میں ہے

حسنِ جاناں کی تجلی کی ہے کس کے دل کو تاب
داغِ خجلت رشک سے جس کے مہ روشن میں ہے

یار کہتا ہے کہ ہو جاتا ہوں سن کر بیقرار
کس غضب کا درد اس بہرام کے شیون میں ہے

ہے کیا عجب اگر نہ ہو تاثیر آہ کی
کب داد داں ملی ہے کسی داد خواہ کی

خواہش نہ سیم و زر کی نہ کچھ عز و جاہ کی
درخواست ہم کو تم سے ہے عفوِ گناہ کی

دامن سے آپ کے جو لپٹتی ہی بار بار — ہی خاک یہ ضرور کسی بے گناہ کی
ای دل مقابلہ نہ کر انداز و ناز سے — ہوتی نہیں شکست کبھی اس سپاہ کی
دنیا میں سب تفاوتِ ظاہر ہی بعدِ مرگ — یکساں ہی ورنہ خاک گدا اور شاہ کی
ابرو کہاں ہی چشم کہاں ہی کہاں مژہ — تشبیہ تیرے رخ سے کہاں مہر و ماہ کی
پیدا ہوئے تو روتے ہوئے رنج و غم کے ساتھ — صورت نہ عمر بھر کبھی دیکھی رفاہ کی
آنکھوں میں ہی خمار پریشاں ہیں کاکلیں — ہی تیری شکل آج بڑی اشتباہ کی
ہیں گاہ محوِ رخ کبھی گیسو میں ہیں اسیر — اتنی خبر ہمیں ہی سپید و سیاہ کی

بہرام کی غزل بھی تماشا ہی بزم میں
ہوتی ہی ہر طرف سے صدا واہ واہ کی

کفر ایک ننگِ قدرتِ بے انتہا میں ہی — جس بت کو دیکھتا ہوں وہ یادِ خدا میں ہی
عاشق ہی جو کہ جامۂ صدق و صفا میں ہی — معشوق ہی جو پردۂ حلم و حیا میں ہی
عالم ہی مست سجدۂ جاناں میں تا ابد — مستی بلا کی بادۂ قالوا بلیٰ میں ہی
ایماں ہی عکس رخ تو ہی گیسو کا عکس کفر — وہ کون چیز ہی جو تری ماسوا میں ہی
ابرو کے محو کعبے میں، صورت کے دیر میں — عشاق رخ کا سلسلہ نور و ضیا میں ہی
بے جلوہ گاہ یار کہاں یہ رجوعِ خلق — بحثِ فضول برہمن و پارسا میں ہی
جویا ہی بس کہ عارض و گیسوئے یار کا — پابند شیخ سجدۂ صبح و مسا میں ہی
رفتار معجزہ ہی تو ہی سحر چال میں — شوخی عجب طرح کی ترے نقشِ پا میں ہی
تیری طرف کو مسلم و کافر کی ہی رجوع — پوجا میں برہمن ہی تو زاہد دعا میں ہی
مقتول لاکھوں ہو چکے شایق ہزار ہا — لذت عجیب یار کی تیغِ جفا میں ہی
اک پیچ و خم میں گبر و مسلماں ہیں مبتلا — وسعت بلا کی یار کی زلفِ رسا میں ہی
بہرام عاشقانہ غزل ایک اور بھی — قوت ابھی بہت تری فکرِ رسا میں ہی

اک شور و ولولہ جو یہ چین و خطا میں ہے
عقدہ کھلا کوئی تری زلفِ دوتا میں ہے

بیٹھا جو تیرے کوچے میں اٹھا نہ پھر کبھی
کیا کیا وقار یار ترے نقشِ پا میں ہے

ہر صبح پوچھتا ہوں میں جا کر طبیب سے
عناب لب کہیں تری دار الشفا میں ہے

نغمہ سرا ہے یہ جو چمن زارِ دہر میں
بلبل تلاشِ شاہدِ رنگیں قبا میں ہے

نالوں کو میرے سن کے وہ ہوتے ہیں بیقرار
تاثیر یہ جرس میں نہ بانگِ درا میں ہے

احساں نہیں ہے ہو جو دمِ قتل اک نگاہ
انصاف کر صنم وہ مرے خوں بہا میں ہے

ناوک کی طرح ہو گئی دل اور جگر سے پار
تیزی غضب کی اس نگہ فتنہ زا میں ہے

تشبیہ دے کے شک سے گیسوئے یار کو
شاعر ہر اک ندامتِ سہو و خطا میں ہے

کیا منہ دکھاؤں صبح کہ ان کو کہا ہے ماہ
حیراں تمام خلق مرے ماجرا میں ہے

کیا پیچ کھل گیا کوئی گیسوئے یار کا
نکہت جو دلفریب نسیم و صبا میں ہے

ہر دم جفائے تازہ تو ہر دم ستم جدید
دشمن میں وہ کہاں جو مرے آشنا میں ہے

ٹھوکر سے زندہ خلق اشارے سے قتلِ عام
انداز کچھ نیا تیرے ناز و ادا میں ہے

آئینے کی تلاش نہ جویائے جامِ جم
بہرام شغل ہے تو وہ دل کی صفا میں ہے

ہم نہ بتخانے میں نے مسجدِ ویراں میں رہے
حسرت و آرزوئے جلوۂ جاناں میں رہے

خوں ہے وہ جس سے کہ ہو دامنِ قاتل رنگیں
خون فاسد ہے جو خالی سرِ مژگاں میں رہے

ہم نے مصنوع سے صانع کی حقیقت پائی
بے سبب ہم نہیں نظارۂ خوباں میں رہے

صبح خورشید کو دیکھا ہوسِ عارض میں
شام سے روشنیٔ شمعِ شبستاں میں رہے

توڑا زنار کو تسبیح کو پھینکا ہم نے
عشقِ رخ تھا ہوسِ نورِ درخشاں میں رہے

جا بجا ہم کو رہی جلوۂ جاناں کی تلاش
دیر و کعبہ میں پھر صحبتِ رہباں میں رہے

خلوتِ دل کی نہ کچھ قدر کو سمجھے حاجی
طوفِ کعبہ کے لیے دشت و بیاباں میں رہے

ان اسیروں کو ہوئی قیدِ تعین سے نجات　　جو کہ پابند ترے گیسوئے پیچاں میں رہے

اس زمیں میں غزل اک اور بھی لکھو بہرام
یہ دو غزلہ تو بھلا آپ کے دیواں میں رہے

ضبط سے اشک رواں دیدۂ گریاں میں رہے　　عمر بھر ہم تو اسی خطرۂ طوفاں میں رہے
مصحفِ روئے صنم کا ہو جو عاشق زاہد　　پھر وہ کس واسطے نظارۂ قرآں میں رہے
ہیں مضامین پریشانیٔ زلفِ جاناں　　اس سے اوراق پریشاں مرے دیواں میں رہے
کاوشِ ناوکِ مژگاں کی تمنا ہے مدام　　پا برہنہ جو رواں خارِ مغیلاں میں رہے
مشکِ چیں کی نہ ہوس اور نہ ہے عنبر کی تلاش　　ہم پریشاں ہوس زلفِ پریشاں میں رہے
پھلیے داغوں کے ہیں میرے تنِ عریاں پہ تمام　　پردہ پوشی رہے گو تنِ عریاں میں رہے
قیدیٔ زلفِ بتاں ہم ہیں ازل سے زاہد　　قیدِ گیسو سے جو نکلے تو زنخداں میں رہے
بوسہ ہائے لبِ جاں بخش لیے ہیں ہم نے　　خضر بس آرزوئے چشمۂ حیواں میں رہے
لعل و گوہر کا ہے بازار میں سودا مسدود　　سب خریدار تلاشِ لب و دنداں میں رہے
اب مرے شورِ جنوں سے ہیں معلم بیکار　　نہیں ممکن ہے کوئی طفل دبستاں میں رہے
ہم نہیں کرتے ہیں خونِ سرِ مژگاں کو پسند　　خوں وہی ہے جو ترے تیر کے پیکاں میں رہے
پیرہن سرخ ہے قاتل کا مرے اے ہمدم　　اس سے ہم آرزوئے گنجِ شہیداں میں رہے
ہے نشانی ترے عشقِ رُخِ تاباں کی صنم　　داغ روشن جو مرے سینۂ سوزاں میں رہے
زخمِ خنداں بھی نہ دیکھے لبِ خنداں تو کہاں　　ہم تو گریاں ہی تلاشِ لبِ خنداں میں رہے

دیر و کعبہ سے کلیسا سے نہ مطلب بہرام
ہم تلاش و ہوسِ جلوۂ جاناں میں رہے

عمر بھر ہم تو تلاشِ سرو ساماں میں پھرے　　حسرتِ جیب میں یا شوقِ گریباں میں پھرے
کو بکو ہم ہوسِ کوچۂ جاناں میں پھرے　　شیخ و حاجی کو جو دیکھا تو بیاباں میں پھرے

مرحبا ان کو جو شوقِ درِ جاناں میں پھرے
قیس و فرہاد عبث کوہ و بیاباں میں پھرے

داغِ سوزاں تری الفت میں ہیں زیبا سر پر
تھے جو ناداں ہوسِ تاجِ زر افشاں میں پھرے

کوئی واقف نہ ملا ہم کو درِ جاناں کا
خدمتِ برہمن و زاہد و رہباں میں پھرے

شکلِ انساں تو بہت سیرتِ انساں نہ ملے
ہم فقط آرزوئے صحبتِ انساں میں پھرے

کوئی صورت تو نظر آتی ہے بت خانے میں
اس پہ حیرت ہے کہ جو خانۂ ویراں میں پھرے

جلوۂ مہرِ درخشاں دسہ تاباں میں
ہم فقط آرزوئے عارضِ رخشاں میں پھرے

آبِ شمشیر سے قاتل کے شرف ہے ان کو
کیوں نہ عالم ہوسِ گنجِ شہیداں میں پھرے

عاشقانہ غزل اک اور بھی پڑھیے بہرام
اک غزل کے لیے کیا جلسۂ یاراں میں پھرے

ذوقِ کاشانہ میں نے شمعِ شبستاں میں پھرے
ہم فقط حسرتِ نظارۂ خوباں میں پھرے

اپنی قسمت میں ازل سے جو پریشانی تھی
عمر بھر الفتِ گیسوئے پریشاں میں پھرے

بوسۂ لعلِ لبِ یار کی سمجھے کیا قدر
جو تلاشِ و ہوسِ لعلِ بدخشاں میں پھرے

سبزہ دامن جو کبھی یار کا دیکھا واللہ
مدتوں محو رہے سیرِ خیاباں میں پھرے

عشق میں ناوکِ مژگان کماں ابرو کے
ڈھونڈھنے تیر کو باحسرتِ پیکاں میں پھرے

تھی زبس سجدۂ نقشِ کفِ پا کی حسرت
سر کے بل اس لیے ہم کوچۂ رقیباں میں پھرے

خوفِ تعزیر کہاں ہے ترے دیوانوں کو
بے خبر جلسۂ ہر گبر و مسلماں میں پھرے

عشقِ عارض میں تسلی ہے سحر کی خورشید
شام سے تا بہ سحر دیدِ چراغاں میں پھرے

زخمِ شمشیرِ ملیحاں نے عطا کی لذت
کیا شب و روز تمنائے نمکداں میں پھرے

سر سے سجدہ نہ ہوا پانو کی قسمت دیکھو
اللہ اللہ کہ خاکِ درِ جاناں میں پھرے

کیسے جھنکوائے کنوئیں چاہِ ذقن نے افسوس
جھانکتے چاہ ترے عشقِ زنخداں میں پھرے

ایک دم کے لیے یوسف تھے عزیزِ اخواں
ایک مدت اثرِ الفتِ اخواں میں پھرے

تا رسائی درِ دلدار تک اپنی ہو جائے   منتیں کرتے ہوئے خدمتِ درباں میں بھ

مہر و مہ کی نہیں منظورِ پرستش بہرام
حسرتِ جلوۂ رخسارۂ تاباں میں پھرے

زاہدا ہم تو ازل سے ہوئے عصیاں میں بھرے   جرم ہیں اور خطا سہو ہیں نسیاں میں بھر

ہو جو مقبول تو حاصل ہو ملائک پہ شرف   جوہر انواع کے ہیں خلقتِ انساں میں بھر

دامنِ تر کو کرے اشکِ ندامت ظاہر   بے بہا لطف و کرم رحمتِ یزداں میں بھ

دیدِ صنعت سے ہے صانع کی صفت کا بھی ظہور   کیسے انداز ہیں نظارۂ خوباں میں بھر

چشمِ بینا ہو تو ہو قدرت و صنعت پہ نگاہ   وصف کیا کیا ہیں ترے دیدۂ گریاں میں بھ

جب کہ تاثیرِ اب وجد ہے نجابت کا ثبوت   عیب کیا ہے جو ہیں آدمی عصیاں میں بھ

اس زمیں میں غزل اک اور بھی لکھو بہرام
اور مضموں ہیں ابھی طبعِ پریشاں میں بھرے

عنابِ لبوں نے درِ اشک گریباں میں بھرے   گل جو گلچیں نے سحر گوشۂ داماں میں بھر

رخ ہے خورشید تو لب لعل گہر ہیں دنداں   کس طرح لعل و گہر مہرِ درخشاں میں بھر

لبِ عیسیٰ میں فقط تھا اثرِ قم پیدا   معجزے لاکھوں ہیں تیرے لبِ خنداں میں بھ

کب ہے غافل وہ اسیروں کی خبر گیری سے   قتل زنداں میں کیے گنجِ شہیداں میں بھ

باعثِ قتل ہے گہ گاہِ حیاتِ جاوید   لاکھوں جوہر ہیں ترے خنجرِ براں میں بھر

پڑ گئی جس پہ نظر ہو گیا مفتوں تیرا   سحر و جادو ہیں تری نرگسِ فتاں میں بھر

بعدِ یوسف کے رہا پھر چہِ کنعاں خالی   دل دو عالم کے ہیں یاں چاہِ زنخداں میں بھ

لختِ دل آتے ہیں آنکھوں سے جو ہمراہِ سرشک   پارۂ لعل ہیں اس مخزنِ طوفاں میں بھر

گاہ زنجیر کبھی دام کبھی مارِ سیاہ   پیچ لاکھوں ہیں ترے گیسوئے پیچاں میں بھر

لبِ دندانِ صنم سے ہوئے عاقل حیراں   کس طرح درِ عدن کانِ بدخشاں میں بھ

کیا کہیں سیرِ چمن کو وہ گلِ اندام آیا — نغمہ پردازِ چمن ہیں جو گلستاں میں بھرے
شہرتِ جوشِ جنوں سے مرے اب جائے کتب — سنگ پر سنگ ہیں لڑکوں نے دبستاں میں بھرے
ایک تشبیہ پہ نازاں ہیں غزالانِ حرم — حسن پر حسن ہیں یاں صورتِ خوباں میں بھرے

مہر و مہ پر نہ ہو کیوں کر نظر اپنی بہرام
ہم تو ہیں آرزوئے عارضِ تاباں میں بھرے

کبر و نخوت کیا عجب بہرام ہر اک سر میں ہے — حیرت افزا یہ حقیقت اس دلِ مضطر میں ہے
عالمِ فانی سے چلنے کی خبر ہرگز نہیں — جس کو دیکھا بس وہ خواہش ہائے سیم و زر میں ہے
جاہ و حشمت مال و دولت سب یہاں رہ جائے گا — انقلابِ آسماں سے یہ بھی اک چکر میں ہے
کاسۂ سر بحرِ ہستی میں ہے مانندِ حباب — گردش ان کو بس اسی باعث سے بحر و بر میں ہے

کیا کہوں کوئی نظر کرتا نہیں اعمال پر
سب کو اے بہرام اٹھنا ایک دن محشر میں ہے

شورِ سودائے جنوں کیسا ازل سے سر میں ہے — جو مزا صندل کا حاصل مجھ کو ہر پتھر میں ہے
کھینچتا ہوں میں تصور سے بدل تصویرِ یار — آفتابِ صبح ساں محبوب میرے بر میں ہے
اس کی نکہت سے دمِ عشاق کو ہر دم بقا — کیا شمیم روح افزا گیسوئے دلبر میں ہے
روئے خور میں جھریاں اور ماہ میں داغِ سیاہ — آب و تابِ نور کیا تیرے رخِ انور میں ہے
مسندِ کمخوابِ شاہاں کو کہاں حاصل یہ قدر — منزلت تیرے گداؤں کی جو خاکستر میں ہے
اس کے نظارے کی ہو کیسے دلِ انساں کو تاب — جلوۂ ذاتِ خدا تیرے رخِ انور میں ہے

آستاں پر آپ کے رہتی ہے گر اپنی جبیں
ہاتھ بھی اپنا تمہارے حلقہ ہائے در میں ہے

گئی روحِ رواں بیکار ہیں اعضائے تن خالی — مکیں جب اٹھ گیا رونق سے پھر ہے انجمن خالی
ترے جلوے سے اے شمعِ شبستانِ دلِ روشن — یہ دل کاشانہ ہے ورنہ ہے اک بیت الحزن خالی

نہ رکھا جب تصوّر یار کا بت کی پرستش میں — رہا کیفیتِ معنیٔ بت سے برہمن خالی

فروغِ شمع نے ایسا جلایا بزمِ جاناں میں — رہا فانوس کے مانند اپنا پیرہن خالی

نہ ہو غافل فریبِ نفس کافر سے کبھی غافل — نہیں ممکن کہ ہووے رہزنی سے راہزن خالی

رہے ہم آتشِ ہجراں سے ایسے عمر بھر جلتے — نہ تھا جز خاک جب دیکھا رہا اپنا کفن خالی

نہ ہووے ظلمتِ فرقت سے کیوں تیرہ دلِ انور — کرے جب اپنے جلوے سے وہ شوخِ سیم تن خالی

نہیں ہوتی تشفی کشتگانِ دشتِ الفت کی — ہوا کیا آبِ رحمت سے ترا چاہِ ذقن خالی

نہ جانا ہی شررِ مخفی نہ سمجھے سنگِ در تیرا — رہے سر پھوڑتے پتھر سے شیخ و برہمن خالی

مضامینِ مجازی یا معانی کے لکھے شاعر — طعامِ بے نمک ہی درد ہے جب ہو سخن خالی

لکھو تم عاشقانہ اک غزل بہرام اور اس میں
نہیں ہیں آفریں سے آپ کے اہلِ سخن خالی

نہیں اڑتی ہوا سے تیری زلفِ پرشکن خالی — کہ اڑ کر کاٹنے سے کب ہی مارِ راہزن خالی

خزاں میں عندلیبِ زار نے دیکھا چمن خالی — ہوئی نالاں کہ ہی محبوب سے اپنا وطن خالی

لبِ دندانِ جاناں پر تصدق ہو گئے یکسر — ہوئے ہیں لعل و گوہر سے بدخشان و عدن خالی

بچا کر قیدِ گیسو سے گرا چاہِ زنخداں میں — نہیں ہی دلربائی سے کوئی جزوِ بدن خالی

لبِ حسرت دہانِ تنگِ جاناں پر وہ کیا کاٹے — بنا روزِ ازل دنداں سے غنچے کا دہن خالی

نئی آفت سرِ شوریدہ پر اپنے ہوئی نازل — کہ دامن میں تمھارے کو دکانِ سنگ زن خالی

شمیمِ کاکلِ پیچانِ جاناں سے ہیں دیوانے — پڑا ہے آہوانِ دشت سے دشتِ ختن خالی

تمھارے عارض و قامت کا شہرہ ہی جو عالم میں — ہوئے ہیں عندلیب و فاختہ سے سب چمن خالی

کیا غربال تیرِ ناوکِ مژگاں نے اب ایسا — نہیں سینے میں جا میرے کہیں ناوک فگن خالی

چلے گا جسم سوئے کوئے جاناں روح جنت کو — رہے گا دوستوں کے دوش پر اپنا کفن خالی

ہزاروں ناز بیجا ہیں تو لاکھوں صدمۂ ہجراں — دل آزاری سے کب ہیں بتانِ دل شکن خالی

پڑھو بہرآم مستانہ غزل اک اور محفل میں
خمارِ ماومن سے تاکہ ہو بزمِ سخن خالی

نہ رکھ پیمانہ اپنا ساقیٔ پیماں شکن خالی
بھر آتا ہی دل ہی سے جو ہووے انجمن خالی

خمارِ خود پرستی کیا ہمیں بیخود کرے زاہد
مۓ قالوابلیٰ سے ہم نہیں ہیں خستہ تن خالی

تمھاری چشمِ میگوں نے کیا مدہوش عالم کو
ہوئے ہیں عقل سے ترسا و شیخ و برہمن خالی

بہار آئی ہی جامِ گل کفِ ہر شاخِ گلبن پر
یہ شورِ بیخودی سے کب ہی بلبل نعرہ زن خالی

حذر لازم ہی اس کی چشمِ مستِ زیرِ ابرو سے
نہیں ہی قتلِ عاشق سے یہ ترکِ تیغ زن خالی

ہوائے سیکشی کیا دور میں اس کے کوئی کرتا
کہ مثلِ ساغرِ واژدوں ہی خود چرخِ کہن خالی

قلم کو ہاتھ سے بہرآم رکھو ختم محفل ہی
نہیں درِ مضامیں سے ترا گنجِ سخن خالی

ہوئی نہ طاعتِ یزداں جو ہم نشیں ہم سے
عبث خراب ہوا ہی یہ ما وطیں ہم سے

خدا کے بندے ہیں ای بت دلِ حزیں ہم سے
نہ کر تو خواہشِ ایماں سوالِ دیں ہم سے

سیاہ کاری میں روشن ہوا یہ نام اپنا
کہ ہو گیا ہی خجل خندۂ نگیں ہم سے

ترا قصور ہی ہو صاف نورِ عرفاں سے
نہ کر شکایتِ بیجا دلِ حزیں ہم سے

ہوا نہ پرتوِ جاناں جو دل میں حسرت ہی
کہ دور کچھ نہیں اس قصر کا مکیں ہم سے

تمھارے سجدۂ نقشِ قدم کی حسرت میں
رہی نہ سجدے سے خالی کوئی زمیں ہم سے

تمھارے ابروئے گو دل کو کر دیا صد چاک
ہوئی نہ صاف کبھی زلفِ عنبریں ہم سے

شمیمِ گیسوئے عنبر شکن کی خواہش ہی
نہ ہوگی خواہشِ تاتار و ملکِ چیں ہم سے

رواں ہیں مثلِ صبا کوئے یار کی جانب
رہے ہیں دور بہ دیر و حرم کہیں ہم سے

غزل اک اور بھی محفل میں تم پڑھو بہرآم
جو چاہتے ہو سنو لفظ آفریں ہم سے

ذرا جو چین بجبیں ہے وہ نزک چیں ہم سے
گریز کرتے ہیں یارانِ ہم نشیں ہم سے

ملا جو سیرِ چمن میں وہ خشمگیں ہم سے
چھڑا لی اس گلِ رعنائے آستیں ہم سے

کیا نہ ضبط تو وحشت سے ہو گئے بدنام
سمجھ کے وحشی ہوئے یار سہمگیں ہم سے

ازل سے ہے لبِ شیریں کی آرزو ہم کو
کرو نہ ذکر نبات اور انگبیں ہم سے

جو التماس ہو غیروں کا وہ قبول انھیں
کلام خاص ہے ان کا نہیں نہیں ہم سے

ہزاروں جور و جفا پھر خدا کی قدرت ہے
گئی نہ الفتِ خوبانِ دل نشیں ہم سے

لگایا دل کو غزالوں سے دیدۂ نرگس کی
گئی نہ خواہشِ چشمانِ سرمگیں ہم سے

لطیفے لاکھ سنائے ظرافتیں لاکھوں
کھلے نہ ہائے فصیحانِ شرمگیں ہم سے

نہ صبر ہو گا کہ اغیار یار کو دیکھیں
دیا نہ جائے گا یہ حقِ ناظریں ہم سے

نہ دل لیا کہ ہے بیتاب و مضطر و پر داغ
بہانہ ساز ہے وہ یارِ نکتہ چیں ہم سے

ہوس ہے عارضِ شعلہ صفت کے اے بہرام
ہوا ہے سجدۂ مہر و مہِ مبیں ہم سے

بحث کیوں ہے کافر و دیں دار کی
سب ہے قدرت داورِ داوار کی

ہم صفِ قالوا بلیٰ میں کیا نہ تھے
کچھ نئی خواہش نہیں دیدار کی

ڈھونڈھ کر دل میں نکالا تجھ کو یار
تو نے اب محنت مری بیکار کی

شکل گل میں جلوہ کرتے ہو کبھی
گاہ صورت بلبلِ گلزار کی

آپ آتے ہو کبھی سبحہ بہ کف
کرتے ہو خواہش کبھی زنار کی

لن ترانی آپ کی موسیٰ سے تھی
ہر جگہ حاجت نہیں انکار کی

خاص ہیں مقتولِ شمشیرِ جفا
کچھ تو لذت ہے تری تلوار کی

دیر و کعبہ میں کلیسا میں پھرے
ہر جگہ ہم نے تلاشِ یار کی

سب کی ہے تقدیر تیرے ہاتھ میں
کیا شکایت مسلم و کفار کی

ہم میں جوہر تھے عبادت خاص کے — کر دیا انساں یہ مٹی خوار کی
مہر و مہ کو عمر بھر دیکھا کیے — تھی تمنّا روئے پُر انوار کی

اور اے بہرام اک لکھو غزل
آپ کو قلت نہیں اشعار کی

کیا کہوں میں دل رُبائی یار کی — خلق مائل ہے بتِ عیار کی
او بتِ کافر رگِ جاں سے سوا — مجھ کو الفت ہو گئی زنار کی
مجھ کو بیخود، مست و رسوا کر دیا — مہربانی ساقیٔ سرشار کی
دیر و کعبہ کی نہیں خواہش مجھے — ہے جو عادت خانۂ خمار کی
میں شہیدوں میں ترے داخل ہوا — ہے عنایت خنجرِ خونخوار کی
چومتا ہوں دم بدم تلوار کو — ہے جو الفت ابروئے خم دار کی
ان بتوں کو کچھ نہیں قدرِ وفا — سب وفاداری مری بیکار کی
مست آہوئے ختن ہیں کھل گئی — کیا گرہ اس طرۂ طرار کی؟
نوح کا طوفاں ہے چشمِ زار میں — کیا حقیقت ابرِ دریا بار کی

نور کو قبلہ کیا بہرام نے
تھی جو حسرت یار کے رخسار کی

مصر میں حضرتِ یوسف کے خریدار بکے — تیرے بیعانے میں لاکھوں ہی خریدار بکے
ہم وہ بدنام ہیں رسوا سرِ بازار بکے — جامِ مے پہ بہ درِ خانۂ خمار بکے
جنس ناکارہ ہیں بازارِ دو عالم میں وہ ہم — ہائے پھیرے گئے سو بار جو سو بار بکے
مرحبا کافرِ غارت گرِ دینِ عالم — رشتۂ جاں کے عوض رشتۂ زنار بکے
جو سپاہی ہے وہ جویا ہے ترے ابرو کا — اب تو مشکل ہے کہ بازار میں تلوار بکے
نہ چھوئیں قند و نبات اور نہ اب آبِ حیات — جان کے بدلے جو وہ لعلِ شکر بار بکے

بندے تیرے ہوئے سب عاقل و مست و زاہد — بندگی میں تری سب غافل و ہشیار بکے
قدر دانی کا زمانے میں جو یہ عالم ہی — کیا تعجب ہی اگر گل سے گراں خار بکے
جنس نایاب ہی جاناں ترے گیسو کی شمیم — مشک کیا چیز ہی بازار میں سو بار بکے
کھل گئی بس مجھے کیفیت دل ہائے اسیر — پیسے پیسے پہ یہ مرغانِ گرفتار بکے
حسن سے قدر زیادہ ہی بتو عاشق کی — دیکھ لو گل سے گراں بلبلِ گلزار بکے
برہمن دیر میں تو شیخ رہیں کعبے میں — تیرے جلوے پہ ترے طالبِ دیدار بکے
بیعتِ پیر مبارک رہے زاہد کو مدام — ہم ترے ہاتھ پر ای طفلِ طرح دار بکے

بے بہا جنس تھے بہرام جہاں میں ہم بھی
گردشِ چشم ستم گار سے بے کار بکے

پسِ دیوار نہ ہم یار کے در پر بیٹھے — مثل نقشِ کفِ پا راہ گزر پر بیٹھے
لذتیں کاوشِ مژگاں کی مجھے یاد آئیں — تیر سفاک کے جب آگے جگر پر بیٹھے
ایک دن زیرِ زمیں آخرش ان کا ہی مقام — ناز کرتے ہوئے جو مسندِ زر پر بیٹھے
شمع و پروانہ بہم، شاخِ شجر پر بلبل — ای فلک ہم نہ کبھی یار کے در پر بیٹھے
پاس افشائے محبت جو ہمیں تھا منظور — رکھ کے رومال ہم اس دیدۂ تر پر بیٹھے
عاشقانِ لب و دندانِ بتانِ گلرو — پشتِ پا مار کے سب لعل و گہر پر بیٹھے
بزم میں خوف تھا ان کو مرے نظارے کا — دھیان رکھتے ہوئے بس میری نظر پر بیٹھے
فخر ہی سایۂ دیوارِ صنم کا مجنوں — کیا ہوئے طائرِ صحرا ترے سر پر بیٹھے
جو اشارے کیے اغیار سے تو نے ظالم — تیر کی طرح وہ سب میرے جگر پر بیٹھے

آرزو ہی نہ تمنا ہی نہ خواہش بہرام
ہم بہ تسلیم و رضا یار کے در پر بیٹھے

کوئی پارسا کوئی دیں دار ٹھہرے — ترے ہم تو بندے گنہگار ٹھہرے

کریں قتل خاصوں کو تیغِ جفا سے — لقب آپ کا پھر بھی غفار ٹھہرے
تمنا میں خم ہیں سرِ ہر دو عالم — نو کس طرح قاتل کی تلوار ٹھہرے
کیا اس نے پامال اٹھے نہ در سے — سبک ہو کے ہم بھی گراں بار ٹھہرے
ہوئے مست و دیوانہ رسوائے عالم — رہے باادب جو سو ہشیار ٹھہرے
پرستش برہمن کو زاہد کو سجدہ — فقط ہم ہی جویائے دیدار ٹھہرے
نقاب اس کا اٹھ جائے رخسار سے جب — نظر میں نہ ثابت نہ سیار ٹھہرے
نظر اپنی کیوں کر نہ ہو مہر و مہ پر — کہ مشتاق روئے پُر انوار ٹھہرے
رہے تا ابد مست و مدہوش و بے خود — تری چشم سے جو کہ سرشار ٹھہرے
یہ نیرنگیاں حُسنِ جاناں کی دیکھو — گہے مہرباں گاہ خونخوار ٹھہرے
کہاں لن ترانی کہاں کُنتُ کنزاً — جو دیکھا تو ہر سو نمودار ٹھہرے

نہ تھی ہم کو فرصت مگر خیر بہرام
غزل میں یہی چند اشعار ٹھہرے

مخمّس

نکل کر مرے گھر سے لی تم نے راہ — نہ دیکھا مجھے پھر اٹھا کر نگاہ
ہوا ہوں میں الفت میں کس کی تباہ — غرض خوب سمجھی مری قدر واہ

بھئی آفریں مرحبا واہ واہ

کہا تم نے ہم تم کریں مل کے چاہ — یہ شرطیں ہوئیں ہم کریں گے نباہ
کہا تم نے سب کچھ کیا کچھ نہ آہ — غرض بیوفاؤں کے ہو بادشاہ

بھئی آفریں مرحبا واہ واہ

بُرا یا بھلا تھا تمھارا حضور   محبّت تو رکھتا تھا تم سے ضرور
کیا حسن پر آپ نے یہ غرور   لگا دل کو آخر کیا مجھ کو دُور

بھئی آفریں مرحبا واہ واہ

تمھارا ہوں میں ہوں بھلا یا بُرا   محبّت میں ہر آپ کی دل بھرا
سمجھتا تھا تم سے مرا ہو بھلا   نہ کی قدر تم نے مری کچھ ذرا

بھئی آفریں مرحبا واہ واہ

بلالو تو جاتا ہر دل سے گِلا   محبّت کا باقی رہے سلسلا
مرا دل عقیدت سے تم سے ملا   محبّت کو دینی تھی لازم جِلا

بھئی آفریں مرحبا واہ واہ

رقیبوں کے کہنے سے ہو بدگماں   نہیں میری تقصیر کوئی عیاں
کرو غور انصاف سے میری جاں   تمھیں چھوڑ کر اب میں جاؤں کہاں

بھئی آفریں مرحبا واہ واہ

قصوروں پہ اپنے ہوں مُر اعتراف   یہ امید تھی تم کروگے معاف
کرو امتحاں خوب نکلوں گا صاف   ہوئے غیر کے کہنے سے برخلاف

بھئی آفریں مرحبا واہ واہ

نہ سمجھے کہ ہر یہ مرا دردمند   خفا ہوں تو پہنچے گی اس کو گزند
ہوئی تم کو بیگانگی اب پسند   کیا خط کا لکھنا بھی مدت سے بند

بھئی آفریں مرحبا واہ واہ

ہر مشہور میں آپ کا ہوں غلام   خفا تم ہوئے یہ سنیں گے تمام
ہنسیں گے یہ سن کر سبھی خاص و عام   کہیں گے کہ نکلے محبت کے خام

بھئی آفریں مرحبا واہ واہ

غلاموں کو مطلوب آقائے نیک　　تمھیں مجھ سے لاکھوں مجھے تم سا ایک
خفا مجھ سے ہو یا رہو مجھ سے نیک　　نہیں زور میرا کہوں گا ولیک
بھئی آفریں مرحبا واہ واہ

کرو ختم بہرام تا کے گِلا　　انھیں سب ہے زیبا یہ جور و جفا
ہمارا ہے شکوہ خلافِ وفا　　خفا ہوں تو ہم کو یہ کہنا بجا
بھئی آفریں مرحبا واہ واہ
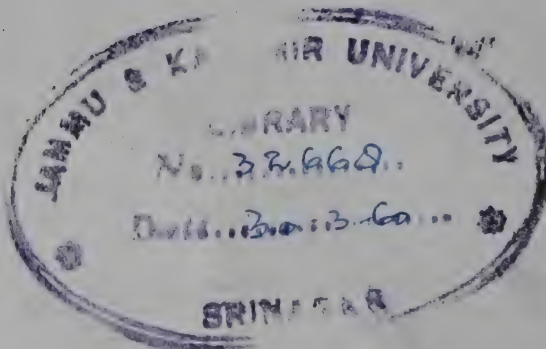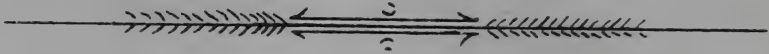
ہماری زبان

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

ہر مہینے کی پہلی اور سولھویں تاریخ کو شایع ہوتا ہے
چندہ سالانہ ایک روپیہ فی پرچہ پانچ پیسے

اُردو

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شایع ہوتا ہے

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں شایع ہوتی ہیں۔ اُن پر تبصرہ اس رسالے کی ایک خصوصیت ہے۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہے۔ قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر سات روپے سکہ انگریزی (آٹھ روپے سکہ عثمانیہ) نمونے کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے (دو روپے سکہ عثمانیہ)

رسالۂ سائنس

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ

(ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد سے شایع ہوتا ہے)

اس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسایل اور خیالات کو اُردو داںوں میں مقبول کیا جائے۔ دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں یا جتنی یا ایجادیں ہو رہی ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور ان تمام مسایل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہلِ وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شایع ہوتے ہیں۔ قیمت سالانہ صرف پانچ روپے سکہ انگریزی (چھ روپے سکہ عثمانیہ)

خط و کتابت کا پتہ :- معتمد مجلس ادارات رسالہ سائنس، جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) دہلی

عام پسند سلسلہ

اُردو زبان کی اشاعت و ترقی کے لیے بہت دنوں سے یہ ضروری خیال کیا جارہا تھا کہ سلیس عبارت میں مفید اور دلچسپ کتابیں مختصر حجم اور کم قیمت کی بڑی تعداد میں شایع کی جائیں۔ انجمن ترقی اردو (ہند) نے اسی ضرورت کے تحت عام پسند سلسلہ شروع کیا ہے اور اس سلسلے کی پہلی کتاب ہماری قومی زبان ہے جو اُردو کے ایک بڑے محسن اور انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کے صدر جناب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کی چند تقریروں اور تحریروں پر مشتمل ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ واقعی عام پسند ثابت ہوگا اور اُردو کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو کر رہے گی۔ قیمت ۸ر

ہمارا رسم الخط

از جناب عبد القدوس صاحب ہاشمی

رسم الخط پر علمی بحث کی گئی اور تحقیق و دلیل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندستان کی مشترکہ تہذیب کے لیے اُردو رسم الخط مناسب ترین اور ضروری ہے۔

گیارہ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔

منیجر انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) ہلا دریا گنج دہلی